Title - MAQADDAMA TAREEKH DAKKIN

Creator - Abdul Majeed Siddique.

Publisher - Idara Adabiyaat Urdu (Hyderabad).

Date - 1940

Pages - 144

Subjects - Tareekh - Dakkin.
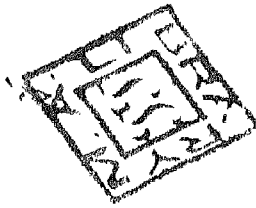
عبدالمجید صدیقی

ادارۂ ادبیاتِ اردو

سلسلۂ مطبوعات ادارۂ ادبیات اردو شمارہ ۶۱

مقدمۂ تاریخ دکن

از

عبدالمجید صدیقی

ایم اے - ایل ایل بی - استاذ تاریخ جامعۂ عثمانیہ

سنہ ۱۹۴۰ء

ناشر

ادارۂ ادبیات اردو - خیریت آباد حیدرآباد دکن

قیمت عہ

مصنف کی دوسری کتابیں

تاریخ گولکنڈہ	۴/ ہے
اعظم الامرا ارسطو جاہ	۶/

فہرست مضامین

حصۂ سوم

دورِ حالیہ

حصۂ چہارم

نوابان

اشاریہ

اس چھوٹے سے رسالے میں ان تمام شاہی خاندانوں کو شجروں کے ذریعے روشناس کرنے کی کی گئی ہے جنھوں نے قدیم، وسطیٰ اور زمانہ حال میں سطح مرتفع دکن پر حکمرانی کی تاکہ ایک نظر میں زمانہ قدیم سے لے کر زمانہ حال تک تاریخ دکن کا ایک سرسری خاکہ ذہن میں آجائے اور اس کو تاریخ دکن کا ایک نقش اول سمجھنا چاہئے جو اس کے بعد تفصیل سے لکھی جائے گی شجروں سے پہلے ایک مقدمہ میں ایک سرسری تاریخ پیش کی گئی ہے جس سے ابتدائی زمانے سے جبکہ اس ملک کی تاریخ روشنی میں آتی ہے موجودہ زمانے تک تاریخ کی تمام منزلیں اور مدوجزر آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں اور شاہی خاندانوں کے سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے ورنہ بغیر اس وضاحت کے شائد شاہی خاندانوں کا صحیح ماحول اور ان کا سیاق وسباق اچھی طرح سمجھ میں نہ آتا شاہی خاندانوں سے متعلق یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ کس زمانے کے آفریدہ تھے اور ان کے پہلے اور بعد کیا حالات پیش آئے شجرے بڑی حد تک مکمل ہیں اور موجودہ تحقیق کی روشنی میں تاریخی تسلسل کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں ان شجروں میں بادشاہوں کے ساتھ ان کے قریبی رشتہ دار مثلاً بھائی بیٹے بیٹیاں بھی ہیں اگرچہ یہ بادشاہ نہیں ہوئے لیکن ان سے حکومتیں ضرور متاثر ہوئیں۔ تمام بادشاہوں کے نام نہ صرف نشان سلسلہ کے ذریعہ واضح کر دیے گئے ہیں تاکہ ان کا صحیح تسلسل معلوم ہو بلکہ بادشاہوں اور راجگان کے نام کے ساتھ سنہ جلوس اور سنہ وفات بھی درج ہے جن سے ان کی مدت حکومت معلوم ہوتی ہے ہر شجرے کے ساتھ ضروری وضاحت بھی ہے۔

آخر میں پروفیسر حسین علی خاں صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہئے جو اس تالیف کے محرک ہیں پروفیسر صاحب موصوف نے مجھ سے یہ خواہش کی تھی کہ میں ان کے لیے سلاطین دکن کے شجرے تیار کر دوں جب یہ شجرے تیار ہو گئے تو خیال کیا گیا

کہ اگر یہ شجرے ایک رسالے میں شایع ہوجائیں تو اچھا ہے تاکہ عام لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔ چنانچہ موصوف کی یہ خواہش آج اس رسالے کی شکل میں ظاہر ہورہی ہے۔ دکن کے قدیم راجگان کی تحقیق میں ڈاکٹر بھیم سین راؤ صاحب ایم اے پروفیسر کنڑی جامعہ عثمانیہ سے بہت مدد ملی جن کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے اور شجروں کی تیاری میں عبدالحفیظ صدیقی صاحب بی ایس سی عثمانیہ نے بہت مدد دی۔

حمایت نگر روڈ
فروری ۱۹۴۲ء

صدیقی

دکن جو سنسکرت لفظ دکشن کی بگڑی ہوئی شکل ہے اس سطح مرتفع کا نام ہے جو جنوب ہند میں دریائے تاپتی کے جنوب سے شروع ہو کر دریائے تنگبھدرا تک پھیلی ہوئی ہے۔ اگرچہ دکن یا دکشن کے لغوی معنی جنوب کے ہیں اور اس سے مراد تمام جنوب ہندوستان ہونا چاہئے اور قدیم مفہوم یہی تھا کیونکہ جب آریا ہندوستان میں آئے تو انھوں نے ہندوستان کی تمام جنوبی سرزمین کو جو بندھیاچل کے پہاڑوں سے راس کماری تک پھیلی ہوئی ہے دکشن کے نام سے موسوم کر دیا اور ظاہر ہے کہ اس اصطلاح میں کوہ بندھیاچل یا دریائے نربدا سے لے کر راس کماری تک تمام جنوبی ہندوستان داخل تھا اور قدیم زمانے میں دکشن سے یہی مفہوم لیا جاتا تھا یعنی اس میں نہ صرف وہ سطح مرتفع داخل تھی جو دریائے تنگبھدرا تک واقع ہے بلکہ جنوب تنگبھدرا کے کیرلا اور تامل علاقے بھی شامل تھے۔ چنانچہ سلطنت چالوکیہ کے مشہور راجہ پلکیشن دوم نے کہا تھا کہ میں تمام دکشناپتیہ کا حکمران ہوں اور اس سے مراد دکن کی سطح مرتفع کے علاوہ راس کماری تک تمام تامل علاقے بھی تھے کیونکہ جنوب کی پانڈیا چولا اور کیرلا والی تمام طاقتیں اس کی باجگزار تھیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا دکن کے معنی محدود ہوتے گئے۔ سلطنت چالوکیہ کے زوال کے بعد جب مسلمان یہاں آئے تو وہ صرف سطح مرتفع کو ہی دکشن کے نام سے موسوم کرنے لگے چنانچہ اس زمانے کے مورخوں نے صرف اسی سرزمین کو جو دریائے تنگبھدرا تک واقع ہے دکن اور اس سرزمین کے باشندوں کو دکھنی کہا۔ فرشتہ نے بہمنی سلاطین اور ان کے جانشینوں یعنی عادل شاہی، نظام شاہی اور قطب شاہی سلاطین کو دکھنی سلاطین کہا ہے۔ اور دریائے تنگبھدرا کے جنوب کا

کوئی ذکر نہیں کیا اور فرشتہ کے بعد جو تاریخیں لکھی گئیں وہ سب اسی مفہوم کی پیروی کرتی ہیں[1]۔ چنانچہ اب دکن اس سرزمین کو کہتے ہیں جو دریائے تاپتی کے جنوب سے یعنی بالاگھاٹ سے دریائے تنگبھدرا تک پھیلی ہوئی ہے اگرچہ قلعہ اسیر گڈھ اس کا دروازہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہاں سے دکن کی شاہراہ شروع ہوجاتی ہے لیکن اصل دکن بالاگھاٹ سے شروع ہوتا ہے یہ ایک بڑی سطح مرتفع ہے جس کے شمال میں بین گنگا، وارد ہا اور گوداوری اور اس کے جنوب میں کرشنا اور تنگبھدرا جیسی بڑی ندیاں بہتی ہیں اور اس کے مغرب و مشرق میں پہاڑوں کے طویل سلسلے ہیں جو سمندر کے متوازی راس کماری تک چلے گئے ہیں اور یہ مشرقی اور مغربی گھاٹوں کے نام سے موسوم ہیں لیکن ایک پرانی روایت کے مطابق اس سطح مرتفع کے ساتھ جنوب تنگبھدرا کا علاقہ بھی جو اب ریاستِ میسور میں واقع ہے دکن میں شامل کرلیا جاتا ہے۔ اس طرح گر اس کے مفہوم کو پرانی روایات کے ساتھ پھیلایا جائے تو اس میں دریائے کاویری تک تمام کرناٹک بھی داخل ہوجاتا ہے اور اب اس کے بعد راس کماری تک جو جنوبی سرزمین ہے اور جہاں تامل یا ملایالم زبانیں بولی جاتی ہیں اس کو جنوب ہند کہتے ہیں[2] اور اب اس پر دکن کا اطلاق نہیں ہوتا۔

دکن کا قدیم دور زمانہ قدیم سے شروع کرکے جب سے دکن کی تاریخ روشنی میں آئی ہے دکن کی سرزمین میں بےشمار خاندانوں نے حکومت کی اور اپنے تمدن کا بڑا سرمایہ چھوڑا۔ دکن کا قدیم زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب کہ دراوڑی قوموں نے یہاں جنم لیا۔ اس زمانے کا تعین بہت مشکل ہے۔ یہ بہت قدیم زمانہ ہے

---

[1] تمام مغل مورخ بھی اسی حصہ کو دکن کہتے ہیں اور زمانۂ حال کے ایک مشہور مورخ ونسنٹ اسمتھ نے اپنی تاریخ قدیم ہندوستان میں دکن کی یہی تعریف کی ہے۔ اور اس عنوان کے تحت اس نے صرف انھیں سلطنتوں کا ذکر کیا ہے جو دکن میں سلطنتیں تاریخ ہندوستان قدیم از اسمتھ۔

[2] ولکس کی مشہور تاریخ جو تاریخ جنوب ہند کے نام سے موسوم ہے اسی جنوبی سرزمین کی تاریخ پیش کرتی ہے اس میں دکن کا ذکر نہیں ہے اس کے مماثل اردو میں ایک اور فاضلانہ تاریخ شایع ہوئی ہے جس کا نام تاریخ جنوبی ہند ہے۔ اس کے مولف محمود خاں صاحب محمود ہیں۔

جو آریوں کے ہندوستان آنے سے کئی ہزار سال پہلے پایا جاتا ہے اور دراوڑی قومیں جس طرح ہندوستان میں حکومت کرتی تھیں اسی طرح دکن میں حکومت کرنے لگیں۔ غالباً ایک زمانہ ایسا گزرا ہوگا جب کہ شمال و جنوب ایک ہی دراوڑی شہنشاہیت میں منسلک تھے[1] لیکن جب شمال میں آریا آئے اور دراوڑی قوموں کو مغلوب کردیا تو یہ تمام قومیں دکن اور جنوب ہند میں سمٹ آئیں اور مغرب کو اپنا گہوارہ بنالیا چنانچہ اب یہ دکن اور جنوب ہند کی قومیں سمجھی جاتی ہیں حالانکہ یہ ایک زمانے میں تمام ہندوستان میں چھائی ہوئی تھیں۔ ابھی بیس سال پہلے تک ان قوموں سے متعلق صحیح معلومات نہ تھے بلکہ یہ عام غلط فہمی تھی کہ یہ قومیں آریاؤں کے آنے سے پہلے غیر مہذب تھیں اور آریاؤں نے ان کو تہذیب سکھائی لیکن وادی سندھ کی کھدائی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان قوموں کی شائستگی آریوں سے زیادہ قدیم ہے۔ موہنجے دارو اور ہڑپا کے قدیم آثار اس بات کے شاہد ہیں کہ خود دراوڑیوں نے آریوں کو تہذیب کا سبق سکھایا تھا اور یہ بات قرین قیاس ہے کہ دراوڑی تمدن دکن میں بھی ہوگا اس وجہ سے دکن کا تمدن جس کے شمع بردار دراوڑی قومیں ہیں بہت قدیم ہے جس کی آج سے ہزاروں سال پہلے بنیاد پڑچکی تھی لیکن یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ سب سے پہلے کس جگہ اس کی بنیاد پڑی اور کس قبیلے نے اس کی ابتدا کی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ برار کے زرخیز میدانوں میں اس تمدن کی بنیاد پڑی تھی۔ بات یہ ہے کہ جس طرح آریاؤں نے اپنی کوئی تاریخ نہیں لکھی اسی طرح دراوڑی قوموں نے بھی اپنا کوئی تحریری مرقع نہیں چھوڑا۔ سب سے پہلے راجہ اشوک کے عہد میں جو تیسری عیسوی ق م میں حکومت کرتا تھا دکنی تمدن کی چند دھندلی نشانیاں دکھائی دیتی ہیں۔ چونکہ دکن بھی اس جلیل القدر راجہ کا حلقہ بگوش تھا اس لیے اس راجہ نے دکن کے مختلف حصوں میں اپنے فرامین کندہ کرائے تھے چنانچہ اس کے یہ کتبات جوگدا۔ ماسکی۔ کپل۔ چیتل درگ[2] میں دریافت ہوئے ہیں۔

---

[1] ان قدیم دراوڑیوں کو "مول دراوڑی" سے موسوم کیا جاسکتا ہے جس کے معنی اصل دراوڑی کے ہوتے ہیں اور جس کی زبان مول دراوڑی تھی چنانچہ موجودہ دراوڑی زبانیں یعنی تامل۔ کنڑی۔ تلنگی۔ ملیالم وغیرہ اسی سے مشتق ہیں۔

[2] جوگدا گنجام سے ۸ میل جانب شمال ماسکی ضلع رائچور میں کپل دریائے تنگبھدرا پر اور چیتل درگ ریاست میسور میں واقع ہیں۔ کپل نواب سالار جنگ بہادر کی جاگیر ہے۔

اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مقامات دکھنی تمدن کے مرکز تھے اور یہاں بڑی آبادیاں تھیں اور راجہ اشوک کا مقصد یہ تھا کہ ان مقامات کے رہنے والے اس کے بیش بہا ہدایتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ غالبًا تاریخ و تمدن دکن کا یہ سب سے پہلا وثیقہ ہے اور مجبوراً یہیں سے اس تاریخ کی ابتدا کرنی پڑتی ہے کیونکہ اس کے پہلے ہر چیز تاریکی میں ہے۔

آندھرا خاندان تیسری صدی عیسوی میں جب کہ شمال و جنوب میں راجہ اشوک کی شہنشاہیت پھیلی ہوئی تھی دکن میں ایک خاندان حکمران تھا جس کو آندھرا خاندان کہتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بندھیاچل کے دامن میں ان کی ابتدائی عملداری تھی لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ یہ لوگ موجودہ تلنگانہ کے رہنے والے تھے جہاں اب تلنگی زبان بولی جاتی ہے۔ راجہ اشوک کے عہد میں جس کا ہندوستان کے تمام طول و عرض میں سکہ چلتا تھا یہ آگے نہیں بڑھ سکے۔ غالبًا اس زمانے میں یہ سلطنت موریا کے باجگزار تھے کیونکہ اشوک کے ایک کتبے میں ان کا ذکر آتا ہے لیکن راجہ اشوک کے انتقال کے بعد جو ۲۶۹ق م میں ہوا تھا ان کو پوری طور پر ابھرنے کا موقع مل گیا اور یہ بالآخر اتنے پھیلے کہ تمام دکن پر چھا گئے اور چند روز کے لئے مگدھ پر بھی قابض ہو گئے پٹن جو دریائے گوداوری پر واقع ہے ان کا پائے تخت تھا[1]۔ یہ بہت بڑا خاندان ہے جس کے تیس راجاؤں نے کوئی ساڑھے چار سو سال دکن پر حکومت کی تھی اور سچ پوچھو تو یہ دکن کا سب سے بڑا خاندان ہے جس نے اس قدر طویل حکومت کی لیکن افسوس یہ ہے کہ چند کتبات، سکے اور ٹوٹے پھوٹے آثار کے سوا ان کی کوئی تاریخ نہیں معلوم ہوتی تاہم یہ قرین قیاس ہے کہ اپنے طویل دور حکومت میں جبکہ تمام دکن پر ان کی شہنشاہت چھائی ہوئی تھی اس خاندان نے دکن کی بڑی تمدنی خدمت کی تھی اور بعد کے آنے والوں کے لیے تمدن و سیاست کا بڑا سرمایہ چھوڑا۔

---

[1] پٹن اس وقت موجودہ اورنگ آباد سے ۳۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور اورنگ آباد کا تعلقہ ہے دریائے گوداوری پر واقع ہونے کی وجہ سے اس کا موقع محل بہت اچھا ہے اور اس وقت بھی آباد ہے۔

آندھرا سلطنت کے زوال کے بعد جو تقریباً ۲۳۶ عیسوی میں ختم ہو گئی ڈاکٹر بھنڈارکر کے الفاظ میں آیندہ تین صدیوں کی تاریخ بالکل تاریکی میں ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آندھروں کے خاتمے کے بعد پھر دکن میں کوئی بڑی سلطنت قائم نہیں ہوئی بلکہ یہ ملک کئی راجدھانیوں میں بٹ گیا چنانچہ بعض ذرایع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں کنارا میں کدمبا قبیلہ اور شمال مغربی دکن میں رٹا قبیلہ حکومت کرتا تھا ۔ یہ وہ قبیلے ہیں جنھوں نے بالآخر آندھرا خاندان کا خاتمہ کر دیا اور ان کی بڑی سلطنت آپس میں بانٹ لی ۔ لیکن ان قبیلوں کی کوئی واضح تاریخ دستیاب نہیں ہوتی صرف کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۳۴ء سے سنہ ۵۶۵ء تک کدمبا قبیلے کے گیارہ راجگان نے حکومت کی تھی صحیح تو یہ ہے کہ دکن کی

چالوکیہ خاندان

واضح تاریخ سنہ ۵۵۰ء سے شروع ہوتی ہے جبکہ دکن کی مشہور سلطنت چالوکیہ قایم ہوئی ۔ ایک قیاس یہ بھی ہے کہ اس خاندان کے بانی راجپوت تھے اور شمال سے آئے تھے لیکن کرناٹک میں جہاں ان کا پایۂ تخت واتاپی[1] تھا ایسے گھل مل گئے کہ دکھنی ہو گئے چونکہ یہ کنڑی زبان بولتے اور اس کی سرپرستی کرتے تھے اس لئے ان کو کنڑی یا کرناٹکی کہنا بیجا نہیں ہے ساتویں صدی عیسوی میں یہ سلطنت بہت پھیل گئی کرشنا اور گوداوری کے درمیان اس خاندان کی ایک اور شاخ جہاں اس کو صوبہ داری دی گئی تھی خود مختار ہو گئی ۔ اس مشرقی سلطنت کے حکمران مشرقی چالوکیاں کہلاتے ہیں اس مشرقی اور مغربی چالوکیہ خاندانوں نے سنہ ۷۵۳ء تک دو صدی کے دوران میں دکن کی بڑی خدمت کی ۔ اس کا ثبوت کنڑی زبان کے ادب سے ملتا ہے اور چینی سیاح ہیون تسانگ نے جو سنہ ۶۴۱ء میں واتاپی اور ناسک آیا تھا اس سلطنت کی بڑی تعریف کی ہے ۔ اس خاندان کے نو بادشاہوں نے مسلسل حکومت کی چوتھے راجہ پلکیس ثانی نے سنہ ۶۲۰ء میں شمال کے راجہ ہرش کو دریائے نربدا پر سخت شکست دی اور اس کو دریائے نربدا سے آگے بڑھنے نہیں دیا ۔

---

[1] یہ بیجاپور کے جنوب میں پچاس یا ساٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور اس وقت اس کو بادامی کہتے ہیں ایک چھوٹا قصبہ رہ گیا ہے ۔

راشٹراکت خاندان لیکن ۷۵۳ء میں ایک نئے قبیلے کے ہاتھوں جس کا نام راشٹراکت بتایا جاتا ہے چالوکیہ خاندان کا خاتمہ ہوگیا اور دکن کی عنان حکومت اس قبیلے کے ہاتھ میں آگئی۔ اس قبیلے کا تعلق قدیم رٹا قبیلے سے سمجھا جاتا ہے جو ابھی بحث طلب ہے۔ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ راشٹراکت راجگان شمالی دکن کے رہنے والے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ چالوکیوں کی طرح یہ بھی کنڑی زبان کے سرپرست تھے اور ان کی تمام تر معاشرت کرناٹکی تھی اس لیے ان کے کرناٹکی ہونے میں بہت کم شبہ ہوتا ہے ملکھیڑ ان کا پائے تخت تھا جو اب موجودہ واڑی سے بہت قریب ہے۔ یہ دکن کا بہت بڑا خاندان تھا جس کے بیس راجگان نے ۹۷۳ء تک دو سو سال سے زیادہ حکومت کی اور دکن کو بہت فائدہ پہنچایا۔ ایلورا کے اکثر غار اس خاندان کے دوران حکومت میں تیار ہوئے تھے سلیمان نامی ایک عرب سیاح نے جو راشٹراکت راج میں ملکھیڑ آیا تھا اس سلطنت کی بڑی تعریف کی ہے۔ لیکن ۹۷۳ء میں قدیم چالوکی قبیلے نے جس کے افراد ابھی زندہ تھے راشٹراکتوں کا خاتمہ کر دیا اور کلیانی[1] کو اپنا پائے تخت بنا کر اپنی پرانی سطوت قائم کر دی اور یہ ثابت کر دیا کہ دکن گویا چالوکیوں کا حصہ ہے۔

چالوکیان کلیانی چالوکیوں کے اس دوسرے دور میں جو چالوکیان کلیانی کہلاتے ہیں دکن کو بہت فروغ ہوا اور کلیانی کو اس بات کا فخر ہے کہ یہاں بڑے بڑے علمی کام بھی ہوئے اور علما کی سرپرستی کی گئی اس خاندان کا مشہور راجہ بکرماجیت ہے جس نے اپنے سنہ جلوس سے ایک نیا سنہ رائج کیا تھا جس کو چالوکی دکرماشک کہتے ہیں اگرچہ ۱۱۵۶ء میں ایک اور قبیلے نے جس کا نام کلچوری تھا چالوکی راجہ کو ہٹا کر سلطنت پر قبضہ کر لیا لیکن چالوکی افراد نے پھر قوت بڑھائی اور پرانے خاندان کو ۱۱۹۰ء تک زندہ رکھا۔ اس خاندان کے تقریباً ۱۲ راجہ گزرے ہیں۔ ۱۱۹۰ء میں چالوکیہ راجگان اس قدر کمزور ہوگئے کہ یہ اپنی وسیع سلطنت نہیں سنبھال سکے ۔ چنانچہ ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس سلطنت کے صوبہ داروں نے سلطنت آپس میں بانٹ لی دکن کے شمالی مغربی حصے میں جو اب

---

[1] کلیانی موجودہ بیدر سے قریب واقع ہے اور ایک جاگیردار کی جاگیر ہے۔ اس میں چالوکیوں کے زمانے کے اکثر آثار پائے جاتے ہیں۔

مہاراشٹر کہلاتا ہے یادو خاندان قابض ہوگیا جس کا پایۂ تخت دیوگری تھا یہ اب دولت آباد کہلاتا ہے۔ مشرقی حصے میں جو تلنگھانہ کہلاتا ہے کاکیتیا خاندان مسلط ہوگیا جس کا پایۂ تخت ورنگل تھا۔ اور جنوب دکن میں جو کرناٹک ہے ہوے سل خاندان قابض ہوگیا جس کا پایۂ تخت دوارسمدر[1] پور تھا۔ ان تینوں خاندانوں نے مسلمانوں کے دکن میں آنے تک تقریباً ایک صدی تک حکومت کی۔ یادو خاندان کے سات کاکتیا خاندان کے دس اور ہوے سل خاندان کے گیارہ راجگان گزرے ہیں اور بالآخر مسلمانوں نے چودھویں صدی کے اوائل میں تمام دکن پر قبضہ کر لیا۔

دکن وسطی دور چودھویں صدی عیسوی اور آٹھویں صدی ہجری کے اوائل سے جب کہ شمالی مسلمان حملہ آور دکن میں آگئے دکن کا وسطی دور شروع ہوتا ہے کیونکہ اس زمانے میں دکن کی قدیم راجدھانیاں ایک ایک کر کے اس شمالی سیلاب میں بہہ گئیں۔ اس وقت شمال میں مسلمانوں کو مسلط ہوئے سو سال ہوگئے تھے اور جب یہ خلجیوں کے زمانے میں شمال کے دار و گیر سے بالکل فارغ ہوگئے تو دکن اور جنوب ہند کو بھی مسخر کرنا چاہا چنانچہ بندھیاچل اور ست پڑا کے غیر مانوس راستوں سے جہاں سوائے جنگل اور وحشی قبائل کے تمدن کے کوئی آثار نہ تھے[2] خلجی حملہ آور دکن کی سطح مرتفع پر آگئے۔

علاؤالدین خلجی کا پہلا حملہ ۱۲۹۴ء اور ۶۹۴ھ میں ہوا تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ مسلمان حملہ آور بھی سب سے پہلے ایلچپور میں آکر جو برار کا مرکز تھا ٹھیرے اور اس جگہ اپنا پڑاؤ ڈالا جس کو دراوڑی تمدن کا شرف بھی حاصل تھا۔ یہ حملہ تو اس قدر نتیجہ خیز نہیں تھا جس قدر سمجھا جاتا ہے لیکن اس کے بعد علاؤالدین کے

---

[1] اس کو مسلمان مورخ دوارسمودر کہتے ہیں۔ یہ موجودہ ریاست میسور کے شمالی ضلع ہیلے بید میں واقع ہے۔

[2] اس زمانے میں بندھیاچل میں جو شہر جبلپور اور ست پڑا میں شہر برہانپور واقع ہیں وہ مسلمانوں کے آباد کیے ہوئے ہیں۔ خلجیوں کے حملے کے زمانے میں یہاں کوئی آبادی نہ تھی۔

جنرل ملک کافور نے ۱۳۱۲ء/۷۱۲ھ میں دیوگری کا خاتمہ کر کے اس کو شمالی سلطنت سے ملحق کر لیا اور اس کی رہی سہی طاقتیں مبارک شاہ خلجی نے ۱۳۱۸ء/۷۱۸ھ میں ختم کر دیں۔ جب تغلق خلجیوں کے جانشین ہوئے تو انھوں نے ۱۳۲۳ء/۷۲۳ھ میں ورنگل کا خاتمہ کر کے دیوگری کی طرح اس کو بھی شمال کا ایک صوبہ بنا دیا اب رہی کرناٹک کی راجدھانی تو وہ اور اس کی ہمسایہ کمپلی دونوں سلطان محمد تغلق کے ہاتھوں ۱۳۲۷ء/۷۲۸ھ میں ختم ہوگئیں اور اس طرح سے تمام دکن سلطنت دہلی میں ضم ہو گیا۔ یہاں شمال کے گورنر حکومت کرنے لگے چنانچہ محمد تغلق کے عہد میں قتلغ خاں اور اس کا بھائی ملا نظام الدین مشہور گورنر تھے جنکے قلعہ دولت آباد کے قریب آثار پائے جاتے ہیں لیکن اس پھیلاؤ سے جس میں نہ صرف دکن بلکہ مدورا تک تمام جنوب ہند شامل تھا دہلی کی ایک عظیم الشان سلطنت ہوگئی اور اس زمانے کے ذرائع حکومت اس کے متحمل نہیں ہوتے تھے اور مرکزی حکومت ان جدید مقبوضات سے بہت دور بڑھتی تھی۔ ان مشکلات پر غور کر کے سلطان محمد تغلق نے ۱۳۲۷ء اور ۷۲۸ھ میں دیوگری کو جس کا نیا نام اس وقت دولت آباد کر دیا گیا تھا ہندوستان کا پائے تخت بنانے کی کوشش کی لیکن وہ اس منصوبے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اگر اس وقت بجائے دہلی کے دولت آباد تمام ہندوستان کا پائے تخت ہو جاتا تو شائد دکن اور جنوب ہند دہلی سے علیحدہ نہ ہوتے۔ اس کے علاوہ سلطان محمد تغلق کی مرکزی حکومت اس قدر کمزور ہو گئی تھی کہ وہ اپنی بڑی سلطنت کا بوجھ نہیں سنبھال سکتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کیساتھ دکن اور جنوب ہند بھی دہلی کی گرفت سے باہر ہو گئے۔

سلطنت بجیانگر

جنوب میں سب سے پہلے مدورا کا صوبہ دار جلال الدین باغی ہو گیا اور چند روز کے بعد ہی تنگبھدرا کی وادی میں بڑے زور سے سیاسی ہلچل شروع ہو گئی دکن کی جن ہندو طاقتوں کو خلجی اور تغلق فاتحوں نے مغلوب کیا تھا وہ پھر اپنے بچاؤ کے لئے جمع ہونے لگیں اور مسلمان حملہ آوروں کا راستہ روکنے کے لیے ایک بڑی طاقت کھڑی کر دی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ

ہری ہر اور بُک جو اس سیاسی تحریک کے علمبردار ہیں اور جنھوں نے دیکھتے دیکھتے تنگبھدرا کی وادی میں
بجیانگر کے نام سے ایک نئی سلطنت قایم کردی ورنگل سے آئے تھے اور راجہ گنپتی کے ملازم تھے۔
لیکن قرائن یہ ہیں کہ یہ دونوں بھائی جو بجیانگر کے اصل بانی ہیں کرناٹک کے رہنے والے تھے اور
اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ یہ لوگ اور ان کے باپ دادا اناگندی میں حکومت کرتے تھے اور
ہوے سل خاندان کے ماتحت بلکہ صوبہ دار تھے کیونکہ بعض کتبوں میں ان کو مہامنڈلیشور کہا گیا ہے جس کے
معنی صوبہ دار کے ہوتے ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ہندو اتحاد کے اصل روح رواں دو
بڑی شخصیتیں ہیں ایک ہوے سل خاندان کا آخری راجہ بلال سوم تھا اور دوسرے اس زمانے کے مشہور
گرو مادھواچاریہ تھے اور حقیقت یہ ہے کہ ہری ہر اور بُک نے انہیں دو بزرگوں کی پیروی کی جب
مسلمان حملہ آوروں نے سلطان محمد تغلق کے عہد میں بلال سوم کا خاتمہ کردیا تو ہری ہر نے اس کی جگہ لی
اور ۱۳۳۶ء/۷۳۶ھ میں سلطنت بجیانگر کی بنیاد ڈالی لیکن گرو مادھواچاریہ جو اپنے علم و فضل کی بنا پر ودیارنیہ
کے لقب سے ملقب تھے اس جدید سلطنت کی تعمیر میں آخر تک شریک رہے اور اس کے سیاسی مشیر تھے
ہری ہر اور بُک نے اسی گرو کے مشوروں سے فائدہ اٹھایا اور بجیانگر کو اسی کے نام سے موسوم کیا
اس سلطنت میں تین خاندانوں نے حکومت کی پہلا خاندان سنگم تھا جو ہری ہر کے باپ کے نام سے موسوم
ہے ۱۴۷۹ء/۸۸۴ھ تک اس خاندان کے آٹھ راجگان نے حکومت کی لیکن آخری راجہ وردپاکشا اس قدر
کمزور ہوگیا کہ ایک فوجی افسر نے سلطنت پر قبضہ کرلیا چنانچہ پرانے خاندان کی جگہ نرسمہا اور اس کے
تین جانشینوں نے بجیانگر پر حکومت کی یہ سالوا خاندان کہلاتا ہے لیکن ۱۴۹۹ء/۹۰۵ھ میں اس کے ایک وزیر
نرسا نایک نے تخت بجیانگر پر قبضہ کرلیا اور ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالی جو تولوا خاندان کے نام
سے موسوم ہے اس خاندان کے پانچ راجہ گزرے ہیں۔ لیکن کرشنا دیورائے کے داماد رام راج نے آخری راجہ
سدا شیو رائے کو بے اختیار کر کے سلطنت پر قبضہ کرلیا اگرچہ رام راج کی بڑی طاقت تھی لیکن اس کے

خلاف ۱۵۶۵ء (۹۷۲ھ) میں دکن کی اسلامی سلطنتوں نے ایکا کرکے اس کا خاتمہ کر دیا۔ اگرچہ رام راج کے پسماندگان بجیانگر کو چھوڑ کر پنکنڈہ میں جا کر بس گئے لیکن وہ پرانی عظمت حاصل نہیں کر سکے جو قدیم راجگان بجیانگر کو حاصل تھی راجگان بجیانگر نے دو سو سال سے زیادہ جنوب ہند کی اس قدر آب و تاب کے ساتھ حکومت کی کہ اس کی مثال دکن کے دوسرے خاندانوں میں مشکل سے ملتی ہے تولوا خاندان کے مشہور راجہ کرشنا دیورائے کا عہد اس سلطنت کا معراج تھا اس عہد میں دکن کو بہت فروغ ہوا اور چاروں طرف اس کے چرچے ہوتے تھے۔ عبدالرزاق ایرانی کے سفرنامے سے اس قدیم سلطنت کی آب و تاب معلوم ہوتی ہے اور ہمپی کے کھنڈر آج بھی اس کے شاہد ہیں۔

سلطنت بہمنی | سلطنت بجیانگر کے قیام کے تقریباً دس سال کے بعد سطح مرتفع دکن پر بھی بغاوت کا سامان جمع ہو گیا۔

امیران صدہ[1] جو دکن کی حکمرانی اور نظم و نسق کے لیے یہاں آباد کیے گئے تھے سلطنت دہلی سے منحرف ہو گئے اور اپنی ایک خودمختار سلطنت بنالی۔ جب سلطان محمد تغلق نے ان کی سرکوبی کے لیے ۱۳۴۵ء (۷۴۶ھ) میں دولت آباد پر حملہ کر دیا تو ان لوگوں نے اسمٰعیل مخ کو جو ان کا ایک سر برآوردہ اور رسیدہ امیر صدہ تھا اپنا بادشاہ بنالیا۔ لیکن جب سلطان محمد تغلق یہاں سے دہلی واپس ہو گیا اور شمال کی فوجوں کو دولت آباد اور گلبرگہ کے سامنے شکست ہو گئی تو ۱۳۴۷ء (۷۴۸ھ) میں تمام امیران صدہ نے اپنی خودمختار سلطنت قائم کر لی اور اسمٰعیل مخ جس نے ناصر الدین شاہ کا لقب اختیار کیا تھا بہت جلد حکومت سے کنارہ کش ہو گیا اور اس کی جگہ ایک لائق امیر صدہ ظفر خاں کو بادشاہ بنایا گیا جس نے علاؤ الدین حسن بہمن شاہ کا لقب اختیار کر کے دکن میں ایک جدید سلطنت کی

---

[1] امیران صدہ سو سواروں کے افسر ہوتے تھے جو دکن کے مختلف حصوں میں آباد کیے گئے اور ان کے فوجی مصارف کے لیے انھیں زمینیں اور جاگیریں دی گئیں۔ اہل دکن زیادہ تر انہیں کی اولاد ہیں۔

بنیاد ڈالی اور بہمن شاہ کے نام سے سلطنت بہمنی کہلاتی ہے۔ یہ سلطنت قدیم چالوکی اور راشٹرکٹ سلطنتوں کی جانشین تھی مگر پچھلی سلطنتوں سے زیادہ آب و تاب سے قایم ہوئی بہمنی بادشاہوں نے تقریباً دوسو سال تک دکن میں حکومت کی۔ آندھرا راجگان کی طرح یہ لوگ بھی جلیل القدر حکمران تھے اور بڑے تمدن کے حامل تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان سلاطین نے اپنی بیش بہا تمدنی خدمتوں سے دکن کو دکن بنا دیا۔ دکن کا موجودہ تمدن بہت کچھ انہیں لوگوں کا سرمایہ ہے۔ اس خاندان کے اٹھارہ حکمران گزرے ہیں۔ اگرچہ اس سلطنت کی بنیاد دولت آباد میں رکھی گئی تھی لیکن اس کے بعد گلبرگہ اس کا پایہ تخت بنایا گیا جو ۱۴۲۳ء / ۸۲۴ھ تک اس سلطنت کا مرکز رہا۔ پہلے تین بادشاہوں کے عہد میں اس سلطنت کی بنیاد پڑی اور اچھی کام ہوا لیکن آٹھویں بادشاہ فیروز شاہ کے عہد میں اس کو غیر معمولی عروج ہوا جس کے نقوش اب تک دکن میں پائے جاتے ہیں لیکن اس کے بھائی احمد شاہ کے عہد سے جس نے گلبرگہ کو چھوڑ کر ۱۴۳۲ء / ۸۳۳ھ میں بیدر کو اپنا پایۂ تخت بنایا تھا اس سلطنت میں زوال کے آثار پیدا ہو گئے کیونکہ اس عہد سے اکثر باہر کے لوگ ترک و ایرانی سلطنت میں دخیل ہونے لگے اور انھوں نے سلطنت کو اپنے اغراض کے بھینٹ چڑھایا۔ قدیم اہل دکن اس بیرونی تسلط کو کب گوارہ کر سکتے تھے چنانچہ دونوں طبقوں میں سخت کشمکش ہو گئی اور یہ کشمکش محمد شاہ لشکری کے عہد میں جو بہمنی خاندان کا تیرھواں بادشاہ ہے بہت شدید ہو گئی کیونکہ اس کا وزیر محمود گاواں جو تاجر کی حیثیت میں باہر سے آیا تھا سلطنت پر خود حاوی ہو گیا اور اس کی طرف سے اکثر لوگ باہر سے آکر سلطنت میں دخیل ہو گئے۔ اس کشمکش سے سلطنت بہت کمزور ہو گئی اور چودھویں بادشاہ محمود شاہ کے عہد میں اس قدر کمزور ہو گئی کہ ۱۴۹۰ء / ۸۹۵ھ میں تمام صوبہ دار باغی ہو گئے اور مرکزی حکومت بھی ایک ترک خاندان برید کے ہاتھ میں آگئی چنانچہ محمود شاہ اور اس کے چار بیٹے بریدوں کے ہاتھ میں کٹ پتلی ہو کر رہ گئے اور جب آخری بادشاہ کلیم اللہ بریدوں سے تنگ آکر ۱۵۲۷ء / ۹۳۴ھ میں بیدر چھوڑ کر احمد نگر بھاگ گیا تو اس خاندان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

دکن کی پانچ سلطنتیں

جس طرح اوپر ذکر ہوا ہے ۱۴۹۰ء / ۸۹۶ھ میں سلطنت بہمنی کا اس طرح شیرازہ بکھرا کہ اس کے تمام صوبہ دار باغی ہو گئے چنانچہ بیجاپور میں جو اس کا شمالی مغربی صوبہ تھا عادل شاہی خاندان قابض ہوگیا اور احمد نگر میں جو اس کا شمالی صوبہ تھا نظام شاہی خاندان اور برار میں جو اس کا سرحدی صوبہ تھا عماد شاہی خاندان اور گولکنڈے میں جو جنوب مشرقی صوبہ تھا قطب شاہی خاندان مسلط ہوگیا اور خود بیدر میں بہمنیوں کو کٹ پتلی بنا کر برید مسلط ہو گئے یہ دکن کی پانچ سلطنتیں کہلاتی ہیں اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس سلطنت کی تقسیم بھی کم و بیش جغرافی اعتبار سے ہوئی تھی کیونکہ برار جہاں عماد شاہوں نے حکومت کی جغرافی اعتبار سے ایک علیحدہ خطہ ہے نظام شاہی سلطنت کا تعلق ٹھیٹ مہاراشٹر سے اور بیجاپور کا تعلق زیادہ تر کرناٹک سے تھا اور قطب شاہی سلطنت تلنگانے میں محدود تھی۔ ان پانچ سلطنتوں میں برار اور بیدر کی بہت چھوٹی سلطنتیں تھیں ان کی کچھ زیادہ تاریخ نہیں ہے کیونکہ ان کی ہمسایہ سلطنتوں نے ان کو جلد ہضم کر لیا چنانچہ احمد نگر نے ۱۵۷۴ء / ۹۸۲ھ میں برار کو اور بیجاپور نے ۱۶۱۹ء / ۱۰۲۹ھ میں بیدر کو اپنے میں ضم کر لیا۔ البتہ باقی تین سلطنتیں جو عادل شاہی نظام شاہی اور قطب شاہی کہلاتی ہیں تقریباً دو سو سال قائم رہیں اور دکن کے مختلف خطوں کی بیش بہا تمدنی خدمت کی جن کے گہرے نقوش دکن کی معاشرت اور سیاست میں اب تک پائے جاتے ہیں۔ تقریباً ۱۵۵۸ء / ۹۶۵ھ تک جب کہ بیجاپور میں تین بادشاہ یوسف عادل شاہ۔ اسمٰعیل عادل شاہ اور ابراہیم عادل شاہ تے اور احمد نگر میں دو بادشاہ احمد نظام شاہ اور برہان نظام شاہ اور گولکنڈے میں دو بادشاہ سلطان قلی قطب شاہ اور جمشید قطب شاہ نے حکومت کی ان سلطنتوں کی بنیادیں مضبوط ہوگئیں اور اس کے بعد ۱۵۸۰ء / ۹۸۸ھ تک ان سلطنتوں کے استحکام کا زمانہ ہے۔ اس کے اختتام پر جو دوسرا دور شروع ہوا تو اس وقت بیجاپور میں علی عادل شاہ اول اور احمد نگر میں حسین نظام شاہ اول اور گولکنڈے میں ابراہیم قطب شاہ حکمران تھے اور ان لوگوں نے اپنی سلطنتوں کو چاروں طرف

مستحکم کر دیا نتیجہ یہ تھا کہ ان سلطنتوں نے ۱۵۶۵ء ۹۷۲ھ میں جنوب کی سلطنت بیجا نگر پر متحدہ
حملہ کر کے اس کا خاتمہ کر دیا یہ مشہور جنگ تالیکوٹ کہلاتی ہے جس کی کامیابی سے
ان تینوں سلطنتوں کو بہت سے مادی فائدے پہنچے اور یہ سلطنتیں جنوب میں بہت پھیل گئیں اس
بات کا افسوس ہے کہ حسین نظام شاہ جو اس جنگ تالیکوٹ کا حقیقی فاتح کہا جاتا ہے اس جنگ
کی کامرانیوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے بہت دنوں تک زندہ نہیں رہا بلکہ اس جنگ کے چند
مہینوں کے بعد ہی فوت ہوگیا۔ اس کی بے وقت موت سے اس بد قسمت سلطنت کو بہت نقصان پہنچا

۱۵۸۰ء ۹۸۸ھ سے ان سلطنتوں کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے جس میں ان خاندانوں نے مختلف
تمدنی ترقیوں سے اپنی سلطنتوں کو سنوار جو استحکام کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے اس دور میں علمی کام ہوئے
عمارتیں بنیں اور شہر آباد ہوئے بیجاپور میں ابراہیم عادل شاہ ثانی اور گولکنڈے میں محمد قلی قطب شاہ
اور سلطان محمد قطب شاہ اس دور کے حکمران ہیں جن کا دکن پر بہت بڑا احسان ہے لیکن نظام شاہی
سلطنت میں حسین نظام شاہ کے جانشین اس قدر کمزور تھے کہ اس سلطنت کی ترقی بہت دنوں تک
رکی رہی۔ اس کے علاوہ شمال سے مغلوں نے دکن پر حملے شروع کر دیے چونکہ نظام شاہی سلطنت شمال
میں واقع تھی اس لیے یہی مغل حملوں کا پہلا نشانہ بنی چنانچہ ۱۵۹۵ء ۱۰۰۴ھ میں شہنشاہ اکبر کے بیٹے شاہزادہ مراد
نے احمد نگر پر حملہ کر دیا۔ اگرچہ یہ حملہ اتنا کامیاب نہیں ہوا جتنا مغل حملہ آور چاہتے تھے کیونکہ حسین نظام شاہ
اول کی بیٹی چاند بی بی ان حملہ آوروں کے سامنے سینہ سپر ہوگئی لیکن اس سے مغلوں کو دکن کا راستہ
مل گیا چنانچہ آج سے پانچ سال کے بعد جب چاند بی بی کا انتقال ہوگیا تو ۱۶۰۰ء ۱۰۰۹ھ میں شاہزادہ
دانیال نے قلعہ احمد نگر فتح کر لیا۔ مگر چاند بی بی کے مرنے کے بعد نظام شاہی سلطنت کے مشہور قائد
ملک عنبر نے اس سلطنت کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور دولت آباد کو اس سلطنت کا پایۂ تخت
بنا کر اس کو پھر زندہ کر دیا۔ اس نے نہ صرف شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں مغلوں کو اپنے حدود سے آگے

بڑھنے نہیں دیا بلکہ نظام شاہی سلطنت کو تمدنی ترقیوں سے اس طرح سنوارا جس طرح بیجاپور اور گولکنڈے کے والی اپنی سلطنتوں کو آگے بڑھاتے تھے یہاں بھی عمارتیں بنیں اور شہر آباد ہوئے جو اب تک موجود ہیں۔

دکھنی سلطنتوں کا زوال اور مرہٹوں کا احیا

یہ عجیب اتفاق ہے کہ دکن کا یہ عہد ترقی ۱۶۳۶ء ۱۰۳۵ھ پر ختم ہو گیا کیونکہ تقریباً اسی سنہ میں ملک عنبر ابراہیم عادل شاہ ثانی اور سلطان محمد قطب شاہ فوت ہو گئے اور ان کے جانشین اس قدر کمزور تھے کہ ترقی کرنا تو کجا اپنی سلطنت کو نہیں سنبھال سکے نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ جہاں نے ۱۶۳۳ء ۱۰۴۳ھ میں احمد نگر کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا اور اس پر طرہ یہ کہ گولکنڈہ اور بیجاپور کی سلطنت جو نظام شاہی سلطنت کے پیچھے سانس لیتی تھی ۱۶۳۶ء ۱۰۴۶ھ میں مغل سلطنت کی حکمبردار بن گئیں اور اس طریقے سے ۱۶۳۶ء ۱۰۴۶ھ میں دکن کا تمام اقتدار اہل دکن کے ہاتھ سے چھن گیا۔ لیکن یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ اسی زمانے میں جب کہ بیجاپور اور گولکنڈے کی سلطنتیں روبہ زوال تھیں دکن میں ایک نئی طاقت پیدا ہو گئی اور یہ مرہٹوں کی طاقت تھی جو سیواجی کی رہنمائی میں کھڑی ہو گئی سیواجی جو نسلاً احمد نگر کے مشہور زمیندار شاہ جی کا بیٹا تھا جنے مرحوم نظام شاہی سلطنت کے بے روزگار سپاہیوں کو اپنے ارد گرد جمع کر کے ایک نئی طاقت فراہم کرلی اور عادل شاہی سلطنت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس کے علاقوں پر حملے کرنے شروع کر دیے حالانکہ اس کا باپ شاہ جی اس سلطنت کا ملازم تھا۔ ۱۶۴۶ء ۱۰۵۶ھ سے دس سال کے اندر اس کی اچھی طاقت ہو گئی جو عادل شاہی مدافعت اور مغلوں کی مزاحمت کے باوجود برابر بڑھتی گئی اور ۱۶۸۰ء ۱۰۹۱ھ میں جب کہ سیواجی کا انتقال ہوا ہے یہ بہت بڑی طاقت ہو گئی لیکن اس سلطنت کا ایک تاریک پہلو یہ ہے کہ اس نے کوئی تعمیری کام نہیں کیا بلکہ ہر طرف لوٹ مار کرتی تھی جس سے دکن کو بہت نقصان پہنچا سیواجی کے جانشین سنبھاجی نے دکن میں اس قدر ادھم مچایا کہ اہل دکن چیخنے لگے اور بالآخر شہنشاہ اورنگ زیب ۱۶۸۲ء ۱۰۹۲ھ میں مرہٹوں کی سرکوبی کے لیے دکن آ گئے اور تمام شہنشاہی

طاقت کے ساتھ مرہٹوں کے مقابلے میں مصروف ہوگئے۔ دکن آنے کے بعد شہنشاہ نے یہ سوچا کہ مرہٹوں کے استیصال سے پہلے دکن کی اسلامی سلطنتوں کا خاتمہ کر دینا ضروری ہے کیونکہ یہ سلطنتیں اپنے بقا کے لیے مرہٹوں کو مدد دیتی ہیں اس لیے ۱۶۸۶ء (۱۰۹۷ھ) میں بیجاپور اور ۱۶۸۷ء (۱۰۹۸ھ) میں گولکنڈہ کی سلطنتوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا گیا اور اس کے بعد مرہٹوں پر یورشیں ہونے لگیں اگرچہ اورنگ زیب کے انتقال تک جو ۱۷۰۷ء (۱۱۱۸ھ) میں ہوا مرہٹوں کے تمام قلعے مسخر کر لیے گئے اور ان کے تمام رہنما یا تو قتل کر دیے گئے یا قید ہو گئے لیکن مرہٹہ قوم فنا نہیں ہوئی بلکہ اورنگ زیب کے انتقال کے بعد اپنے کئی رہنماؤں کے تحت پھر طاقتور ہو گئی۔

دورِ حالیہ اورنگ زیب کے انتقال کے بعد اٹھارھویں صدی عیسوی اور بارھویں صدی ہجری میں ایک تو مرہٹے ازسر نو جاگ اٹھے کیونکہ سنبھاجی کا بیٹا ساہوجی جو اورنگ زیب کے کیمپ میں گرفتار تھا رہا کر دیا گیا اور مرہٹوں نے اس کو اپنا راجہ بنا لیا اور اس کے وزرا جو پیشوا کہلاتے ہیں سیاسی میدان میں آگئے اور ان لوگوں نے ساہوجی کو بے دست و پا کر کے مرہٹہ سلطنت کا تمام سیاسی اختیار اپنے ہاتھ میں کر لیا چنانچہ بھونسلہ خاندان تو غائب ہو گیا اور اس کے مقابلے میں دکن میں پیشواؤں کا نیا خاندان قایم ہو گیا۔ پیشواؤں کے تحت مرہٹوں کی ایک بہت بڑی طاقت کھڑی ہو گئی جو نہ صرف دکن پر چھا گئی بلکہ اس سے بڑھ کر شمال پر بھی وار کرنے لگی۔ چنانچہ بالاجی راؤ کے عہد میں جو تیسرا پیشوا تھا مرہٹوں کی غیر معمولی طاقت ہو گئی اور اگر ۱۷۶۱ء (۱۱۷۵ھ) والی جنگ پانی پت میں ان کی ہار نہ ہوتی تو آج تمام ہندوستان ان کے ہاتھ میں ہوتا۔ یہ پہلے جنگ پانی پت میں بہت کمزور ہو گئے اور اس کے بعد لارڈ ولزلی کے عہد میں ان کی رہی سہی طاقت جاتی رہی۔ دوسری طرف دکن کی سطح مرتفع پر جہاں ایک زمانے میں بہمنی پرچم لہراتا تھا آصفی سلطنت قایم ہو گئی جس کے بانی اٹھارھویں صدی عیسوی کے مشہور مدبر حضرت مغفرت مآب نظام الملک آصفجاہ تھے مغفرت مآب کے بزرگوں نے

شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد میں مغل سلطنت کی بڑی خدمت کی تھی۔ شہنشاہ اورنگ زیب کے انتقال کے بعد جب اس کے جانشینوں کی کمزوری اور بیوفا وزرا سادات بارہہ کی غداری کی وجہ سے مغل سلطنت کا شیرازہ بکھرا تو مغفرت مآب نے ۱۷۲۴ء (۱۱۳۵ھ) میں دکن کی صوبہ داری سنبھال لی جو بعد کو ایک سلطنت بن گئی اور اپنے مقدس بانی کے نام سے سلطنت آصفیہ کہلانے لگی۔ سلطنت آصفیہ کی تاسیس بڑی سیاسی دانائی تھی۔ اگر یہ سلطنت قائم نہ ہوتی تو تمام دکن مرہٹوں کی تاخت وتاراج کا نشانہ بنا رہتا۔ حضرت مغفرت مآب اور ان کے جانشینوں کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے ہندوستان کی اندرونی اور بیرونی طاقتوں کا مقابلہ کرکے دکن کی سلطنت بچالی اور بہمنی سلطنت کی یاد تازہ کردی جو چودھویں اور پندرھویں صدی میں تقریباً اسی سرزمین پر پھیلی ہوئی تھی۔ آصفجاہ ثانی حضرت غفران مآب نواب نظام علی خاں جو ۱۷۶۱ء (۱۱۷۵ھ) میں فایز سلطنت ہوئے تھے اس سلطنت کے بڑے رہنما تھے جنھوں نے اس سلطنت کو ہندوستان کی جانگداز مزاحمتوں سے بچایا۔ حضرت غفران منزل نواب ناصرالدولہ اور مغفرت مکان نواب افضل الدولہ کے عہد میں جب نئے حالات پیدا ہوئے تو اس سلطنت میں بھی ترقیوں کے دروازے کھول دئیے گئے۔ اس دور کے مشہور وزیر مختارالملک سالارجنگ اول نے اس سلطنت کی زمانہ حال کے مطابق تعمیر کی اور ۱۹۱۱ء سے جب موجودہ اعلیحضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہٗ سریرآرائے سلطنت ہوئے تو سلطنت آصفیہ دنیا کے متمدن مملکتوں کا جواب ہوگئی اور اس میں ایسی ذہنی اور اخلاقی طاقتیں جمع کی گئی ہیں کہ اب وہ نہ صرف غیر متزلزل ہے بلکہ وہ ہر روز ترقی پذیر ہے۔ صانہا اللہ عن الشرور والفتن

حصۂ اوّل

دورِ قدیم

---

(۱) آندھرا خاندان

۲۲۰ ق م تا ۲۳۶ء

یہ دکن کا سب سے پہلا خاندان ہے جس سے تاریخ آشنا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس قبیلے کے قدیم بزرگ کوہ بندھیاچل میں آباد تھے اور حکومت کرتے تھے لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ یہ لوگ مشرقی دکن کے رہنے والے تھے جس کو آندھرا یا تلنگانہ کہتے ہیں اور جہاں اب تلنگی زبان بولی جاتی ہے اور اسی وجہ سے اس کو آندھرا خاندان کہتے ہیں۔ راجہ اشوک کے انتقال کے بعد ۲۲۰ق م میں یہ لوگ طاقتور ہوئے اور تمام دکن پر چھا گئے۔ پٹن جو دریائے گوداوری پر واقع ہے ان کا پائے تخت تھا۔ یہ بہت بڑا خاندان ہے جس کے تیس راجگان کا پتہ چلتا ہے اور انھوں نے چار سو پچاس سال دکن پر حکومت کی۔ ان کی تمام تاریخ تاریکی میں ہے۔ صرف سکوں اور کتبوں سے راجگان کے نام دریافت ہوتے ہیں۔ ان کے سنہ جلوس کا پتہ تو چلتا ہے لیکن یہ یقینی نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی بتانا مشکل ہے کہ ان راجگان کا ایک دوسرے سے کیا تعلق تھا۔ ۲۳۶ء میں اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا اس خاتمہ کے اسباب بھی نہیں معلوم ہوتے۔ ممکن ہے کہ پلاوا خاندان جو تقریباً ۲۲۵ء میں جنوب میں قائم ہوا آندھروں کے زوال کا باعث ہو اور کئی سال کے بعد ان کے بعض مقبوضات پر کومبا قبیلہ قابض ہو گیا۔

سنہ جلوس

(۱) شیموکا (یا سسوکا، سپرکا، سندھوکا) عہد حکومت ۲۳ سال	۲۲۰ ق م
(۲) کنہایا کرشنا۔ یہ شیموکا کا بھائی تھا (عہد حکومت ۱۸ سال)	۱۹۷ ″ ″
(۳) بگیناسری سات کرنی (یا شیری ملاکرنی یا شاتناکرنی (عہد حکومت ۱۰ سال)	۱۷۹ ″ ″
(۴) پورنوتسنگ (عہد حکومت ۱۸ سال)	۱۶۹ ″ ″
(۵) سات کرنی (عہد حکومت ۴۰ سال)	۱۵۱ ″ ″
(۶) لمبودرا (عہد حکومت ۱۸ سال)	۱۱۱ ″ ″
(۷) اپی ٹک (یا اپی لک یا اوی لک (عہد حکومت ۱۲ سال)	۹۳ ″ ″
(۸) سنگھ یا میگھ سواتی (عہد حکومت ۱۸ سال)	۸۱ ″ ″
(۹) سات کرنی یا سات سواتی (عہد حکومت ۱۸ سال)	۶۳ ″ ″
(۱۰) سکند سواتی یا سکند سات کرنی (عہد حکومت ۷ سال)	۴۵ ″ ″
(۱۱) میرگیند رسات کرنی (یا مہندر) (عہد حکومت ۳ سال)	۳۸ ″ ″
(۱۲) کنتلا یا سواتی کرن (عہد حکومت ۸ سال)	۳۵ ″ ″
(۱۳) ست سات کرنی یا سواتی کرنی یا سواتی سبین (عہد حکومت ۱ سال)	۲۷ ″ ″
(۱۴) پلومائی اول یا پلو مادی یا پٹو مادی یا پٹوست (عہد حکومت ۳۲ سال اس نے مگدھ کے راجہ کو قتل کیا تھا۔)	۲۶ ″ ″
(۱۵) میگھ سات کرنی (عہد حکومت ۳۸ سال)	۶ عیسوی
(۱۶) ارشٹا سات کرنی یا ارشٹا کرنی یا نبی کرشنا یا گوراکرشنا) عہد حکومت ۲۵ سال	۴۴ ″
(۱۷) ہالا یا ہالے یا (عہد حکومت ۵ سال)	۶۹ ″

	سنہ جلوس
(۱۸) منڈالک یا منٹالک یا پٹ لک (عہد حکومت ۵ سال)	۷۴ عیسوی
(۱۹) پوریندرسین یا پورشن سین یا پرویل سین (عہد حکومت ۵ سال)	۷۹ "
(۲۰) سندر سات کرنی عہد حکومت ۱ سال)	۸۴ "
(۲۱) ولی وائی کر اول (یا بشستی پتر یا چکور یا راجڈ سات کرنی عہد حکومت ۶ مہینے	۸۵ "
(۲۲) شوالکر یا مادہری پتر سکنسہ یا شو سواتی سات کرنی (عہد حکومت ۲۸ سال)	۸۵ "
(۲۳) ولی والی کر ثانی (یا گوتمی پتر شری سات کرنی عہد حکومت ۲۵ سال۔ اس کے عہد میں شک حکمرانوں سے لڑائیاں ہوئیں)	۱۱۳ "
(۲۴) پلومائی ثانی (یا بشستی پتر یا پلوست یا پوومائی (عہد حکومت ۳۲ سال)	۱۳۸ "
(۲۵) شوشری یا بشستی پتر یا اوی سات کرنی (عہد حکومت ۷ سال)	۱۷۰ "
(۲۶) شوسکند سات کرنی یا سکند سواتی (عہد حکومت ۷ سال	۱۷۷ "
(۲۷) یگن سری گوتمی پتر (عہد حکومت ۲۹ سال	۱۸۴ "
(۲۸) بجے سات کرنی عہد حکومت ۶ سال	۲۱۳ "
(۲۹) ودا سری یا چندر وگنا یا بشستی پتر یا چندر سری سات کرنی (عہد حکومت ۱۰ سال)	۲۱۹ "
(۳۰) پولومائی سوم یا پولومادی یا پولومارچس (عہد حکومت ۷ سال)	۲۲۹ "

---

(۲) کدمبا خاندان

سنہ ۳۴۴ء تا سنہ ۵۶۵ء

یہ ایک چھوٹا خاندان ہے جو آندھرا خاندان کے زوال کے دوسو سال کے بعد دکن کے مغربی حصے پر قابض ہوا تھا۔ کدمبا سنسکرت میں سیندھی کے درخت کو کہتے ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس قبیلے کے بانی راجہ جینت کے گھر کے سامنے ایک سیندھی کا درخت تھا اور یہ راجہ اسی درخت سے پہچانا جاتا تھا۔ اس وجہ سے جب یہ قبیلہ برسر حکومت ہوا تو اس کو کدمبا خاندان کہنے لگے یہ سنہ ۳۴۴ء میں برسر اقتدار ہوئے اور سنہ ۵۶۵ء میں ان کا چالوکیوں کے ہاتھوں بالکل خاتمہ ہوگیا۔ کرتی ورما چالوکیہ نے سنہ ۵۶۶ء میں ان کی تمام راجدھانی پر قبضہ کرلیا اس قبیلے کے ۱۱ راجہ گزرے ہیں۔ گیارھویں صدی عیسوی میں اس قبیلے کی بعض شاخیں پانگل اور گووا میں بھی حکومت کرتی رہیں۔ شیر ببر ان کا نشان سلطنت تھا۔

- (۱) میورشرمن — ۳۴۰ء تا ۳۶۰ء
  - (۲) کنگ ورمن — ۳۶۰ء تا ۳۸۵ء
    - (۳) بھگی رتھ — ۳۸۵ء تا ۴۱۰ء
      - (۴) رگھو — ۴۱۰ء تا ۴۲۵
      - (۵) کاکُتشا ورمن — ۴۲۵ء تا ۴۵۰ء
        - (۶) شانتی ورمن — ۴۵۰ء تا ۴۷۵ء
          - (۷) میرگیش ورمن — ۴۷۵ء تا ۴۸۸ء
            - (۹) روی ورمن — ۵۰۰ء تا ۵۳۷ء
              - (۱۰) ہری ورمن — ۵۳۷ء تا ۵۵۰ء
            - بھانو ورمن
            - سیوارتھا
          - (۸) ماندھاتری ورمن — ۴۸۸ء تا ۵۰۰ء
        - کرشنا ورمن اول
          - وشنو ورمن اول یا وشنو داس
            - سمھا ورمن
              - (۱۱) کرشنا ورمن ثانی — ۵۵۰ء تا ۵۶۵ء
                - آج ورمن
                  - بھوگی ورمن
                    - وشنو ورمن ثانی
              - دختر
          - دیلو ورمن یا شیوانند ورمن

(۴) خاندان چالوکیہ (مغربی)

۵۵۰ء تا ۷۵۳ء

یہ دکن کا مشہور خاندان ہے جو چھٹی صدی عیسوی میں دکن پر مسلط ہوا دکن کی اصل تاریخ اسی زمانے سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس خاندان کے بانی اودھ سے دکن آئے تھے۔ ان کے متعلق ایک دلچسپ کہانی بولی جاتی ہے جو اکثر کتبوں میں درج ہے۔ کہانی یہ ہے کہ ایک مرتبہ برہما عبادت میں مشغول تھے۔ اندرا ان کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ دنیا میں برائیاں بہت ہوگئیں اور ان کا سد باب ہونا چاہیئے۔ اس وقت برہما کے دونوں ہاتھوں یعنے "چلو" میں عبادت کا پانی تھا۔ اندرا کے کہنے سے انھوں نے پانی کی طرف دیکھا تو اسی پانی میں سے ایک آدمی نمودار ہوا جو بعد کو خاندان چالوکیہ کا بانی ہوا۔ اور اسی وجہ سے اس خاندان کو چالوکیہ کہتے ہیں گویا یہ چلو سے پیدا ہوا ہے۔

اگرچہ اس خاندان کا بانی جیسمہ ہے جو ۵۰۰ء میں حکومت کرتا تھا لیکن اس کے پوتے پلکیس اول کے عہد سے جو ۵۵۰ء میں گدی نشین ہوا تھا اس خاندان کو فروغ ہوا اور اس پلکیس کے پوتے پلکیس ثانی کے عہد میں یہ سلطنت بہت انتہا بلند ہوگئی۔ اگرچہ اس راجہ کے عہد میں جنوب کے پلاوا خاندان سے اس سلطنت کو بہت نقصان پہنچا اور اسکو عارضی طور پر زوال ہوگیا لیکن تیرہ سال کے وقفے کے بعد یہ پھر زندہ ہوگئی اور ۷۵۳ء تک اس خاندان کے نو راجگان نے حکومت کی بالآخر راشتراکت قبیلے نے ان کو بے دخل کر کے دکن پر قبضہ کر لیا۔ واتاپی جو آج کل بادامی[۱] کہلاتا ہے۔ ان کا پائے تخت تھا۔ خوک صحرائی ان کا نشان سلطنت تھا۔

---

[۱] بادامی موجودہ بیجاپور سے کوئی پچاس یا ساٹھ میل کے فاصلے پر جنوب میں واقع ہے۔

جے سمہ
تقریباً ۵۰۰ء

رن راگا (یا رن بکرم یا راجا سمہ)

(۱) پلکیسن اول
۵۵۰ء تا ۵۶۶ء (تقریباً)

(۲) کرتی ورما اول (رن پراکرم)
۵۶۶ء تا ۵۹۷ء

(۳) منگلیش (ران وکرانت)
۵۹۷ء تا ۶۰۹ء یا ۶۱۰ء

بیٹے[1]

(۴) پلکیسن ثانی (ایریا)
۶۰۹ یا ۶۱۰ تا ۶۴۲ء

کبجا وشنو وردھن

جے سمہ
ناگا وردھن

بیٹے[2]

چندرا جیت

آجیت ورما

(۵) بکرماجیت اول
(رن رسک راج مل)
۶۵۵ یا ۶۵۴ تا ۶۸۰ء

جے سمہ

دختر امیر (مشتبہ)

(۶) وینا جیت (جودھ مل)
۶۸۰ء تا ۶۹۶ء

(۷) وجیا جیت
۶۹۶ء تا ۷۳۳ء

(۸) بکرماجیت ثانی
۷۳۳ء تا ۷۴۳ یا ۷۴۴ء

(۹) کرتی ورما ثانی
۷۴۳ یا ۷۴۴ء تا ۷۵۳ء

بھیم اول
کرتی ورما سوم

[1] کبجا وشنو وردھن نے مشرقی دکن میں ایک نئے خاندان کی بنا ڈالی جو مشرقی چالوکیاں کہلاتے ہیں۔

[2] جنوب کے پلاوا خاندان سے شکست کھانے کی وجہ سے پلکیسن ثانی کے بعد ۱۳ سال کا وقفہ ہوا تھا۔ اس کے بعد بکرماجیت نے تیرہ سال کے بعد سلطنت حاصل کی تھی۔

(۴) خاندان چالوکیہ (مشرقی)

سنہ ۶۱۵ء تا سنہ ۱۱۱۸ء

یہ خاندان جس کا بانی کبجا وشنو وردھن ہے سنہ ۶۱۵ء میں مشرقی دکن پر مسلط ہوا اور اس کے اٹھائیس راجگان سنہ ۱۱۱۸ء تک حکومت کرتے رہے اور کانچی جو مدراس کے قریب ہے ان کا پایۂ تخت تھا۔ اس خاندان کا وجود اس طرح ہوا کہ مغربی چالوکی خاندان کے مشہور راجہ پلکیسن ثانی نے اپنے بھائی کبجا وشنو وردھن کو مشرقی دکن کا جس میں تلنگانہ اور تامل علاقے شامل تھے صوبہ دار بنایا تھا بعد کو یہ خود مختار ہو گیا اور ایک علٰحدہ خاندان کی بنیاد ڈالی جو تقریباً پانچ صدیوں تک مشرقی دکن میں حکمران رہا۔

کبجا وشنو وردھن اول
برادر پلکیسن ثانی
۶۱۵ء تا ۶۳۳ء

(۲) جے سمہا اول
۶۳۳ء تا ۶۶۳ء

(۳) اندر بھٹارک
۷ دن حکومت کی
۶۶۳ء

(۴) وشنو وردھن دوم (راجا سندن یا وشما سدھی)
۶۶۳ء تا ۶۷۲ء

(۵) منگی یوراج (وجے سدھی)
۶۷۲ء تا ۶۹۶ء

(۶) جے سمہا دوم
۶۹۶ء تا ۷۰۹ء

(۸) وشنو وردھن سوم
۷۰۹ء تا ۷۴۶ء

(۷) کوکیلی
۶ ماہ حکومت کی
۷۰۹ء

(۹) بجیا جیت
۷۴۶ء تا ۷۶۴ء

(۱۰) وشنو وردھن چہارم
۷۶۴ء تا ۷۹۹ء

(۱۱) بجیا جیت دوم
۷۹۹ء تا ۸۴۳ء

نرپ رودر

(۱۲) اکلی وشنو وردھن پنجم
۸۴۳ء تا ۸۴۴ء

(بقیہ شجرہ صفحہ آئندہ)

(۱۳) گنک بجیاجیت
۸۸۴ء تا ۸۸۸ء

بکراجیت اول

(۱۴) چالوکیہ بھیم دوم
۸۸۸ء تا ۹۱۸ء

(۱۵) بجیاجیت چہارم
۹۱۸ء (۶ ماہ)

(۱۶) آما اول (وشنو وردھن ششم)

(۱۷) بیت بجیاجیت پنجم
۹۲۵ء (۱۵ دن)

(۲۰) بھیم دوم
۹۲۶ء تا ۹۲۷ء (۸ ماہ)

(۲۲) چالوکیہ بھیم سوم
۹۳۴ء تا ۹۴۵ء

(۲۴) دانارنو
۹۷۰ء تا ۹۷۳ء

(۲۵) شکتی ورمن
۹۹۹ء۔۱۰۱۱ء

(۲۶) ومل جیت
۱۰۱۱ء تا ۱۰۲۲ء

(۲۷) راج راج نریندر اول
۱۰۲۲ء تا ۱۰۶۳ء

(۲۸) راجندر دوم
۱۰۶۳ء تا ۱۰۷۰ء

کندلیے
(دختر)

دختر

وجیاجیت چہارم
۱۰۶۳ء تا ۱۰۷۶ء

(۲۳) آما دوم
۹۴۵ء تا ۹۷۰ء

(۱۹) بکراجیت دوم
۹۲۶ء (۱۱ ماہ)

جودھ مل اول

(۱۸) تارپ یا تال اول
۹۲۵ء (صرف ایک ماہ)

(۲۱) جودھ مل دوم
۹۲۷ء تا ۹۳۴ء

بارپ

تال دوم

(۵) راشٹراکت خاندان

۷۵۳ء تا ۹۷۳ء
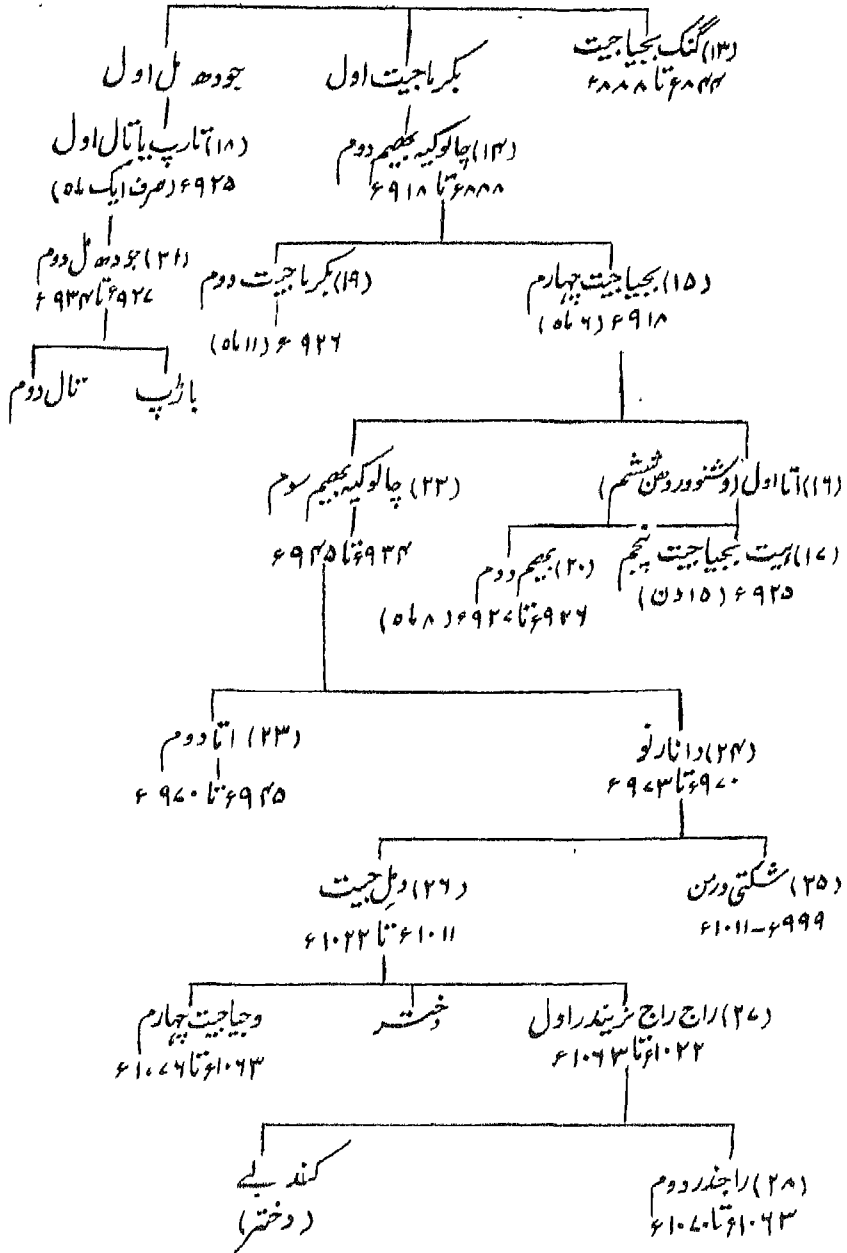
اگرچہ اس خاندان کا بانی دنتی ورما ہے لیکن اس خاندان کی اصل عظمت دنتی ورگ کے عہد میں حاصل ہوئی جو دنتی ورما کی چھٹی پشت میں تھا اس نے ۷۵۳ء میں چالوکیوں کا خاتمہ کر کے دکن پر قبضہ کر لیا اور چالوکیوں کی طرح بڑی سلطنت قایم کی۔ ملکھیڑ جو موجودہ واڑی سے قریب ہے ان کا پایۂ تخت تھا۔ راشٹراکت ایک سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی متحدہ سلطنت کے ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس قبیلے نے دکن کی منتشر طاقتوں کو جمع کر کے ایک سلطنت بنائی ہو گی۔ ۹۷۳ء تک اس خاندان کے بیس راجگان نے بڑے آب و تاب کے ساتھ حکومت کی اور اپنے تمدن کے بڑے آثار چھوڑے ہیں۔ بالآخر قدیم چالوکیہ خاندان کے پسماندگان نے ان کا خاتمہ کر دیا اور چالوکیوں کی از سر نو سلطنت قائم کر دی۔
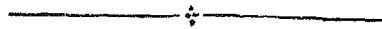
(۱) دنتی ورما اول

(۲) اندر اول

(۳) گووند اول

(۴) کرک یا کک اول

(۵) اندر دوم

(۶) دنتی ورگ
۷۴۸ء تا ۷۵۳ء یا ۷۵۴ء

(۷) کرشنا اول
۷۶۸ء تا ۷۷۲ء
(اس نے کیلاش (ایلورہ) کی تعمیر کی

ننّا
شنکر گن
۷۹۳ء

(۸) گووند دوم
۷۷۹ء تا ۷۸۳ء

(۹) دُھرو
۷۸۳ء

کمبا
۸۰۲ء

(۱۰) گووند سوم
۷۸۳ء تا ۸۷۷ء

(۱۱) اموگھ ورش اول
۸۱۴ء تا ۸۷۷ء

اندر سوم
گجرات میں علیحدہ سلطنت قائم کی

(۱۲) کرشنا دوم
۸۷۷ تا ۹۱۳ء

شنگھا (دختر)

(۱۳) جگت تنگ

دختر زوجہ ایا تا دوم (مغربی چالوکیہ)

(۱۴) اندر سوم
۹۱۴ء تا ۹۲۲ء

(۱۵) اموگھ ورش دوم
ایک سال حکومت کی

(۱۶) گووند چہارم
۹۲۲ء تا ۹۳۳ء

۹۱۱ء میں اس کے بھائی نے حکومت چھین لی

(۱۷) بدّیگا یا اموگھ ورش سوم
۹۳۳ء تا ۹۳۷ء

دیوکا (دختر)

(۱۸) کرشنا سوم
۹۳۷ء تا ۹۳۸ء تا ۹۶۵ء تا ۹۶۶ء

ایک بیٹا
اندرا چہارم
(۹۸۲ء میں مرا)

(۱۹) کھاٹیگا نیر وپم
۹۶۶ء تا ۹۷۳ء

(۲۰) ککل دوم یا
اموگھا ورشا چہارم

(۶) خاندان چالوکیہ (کلیانی)

۹۷۳ء تا ۱۱۹۰ء

یہ خاندان قدیم چالوکیوں کا جانشین تھا۔ جب ۷۵۳ء میں قدیم چالوکی راجہ کرتی ورما دوم راشٹراکت قبیلے کے ہاتھوں مغلوب ہو گیا تو چالوکیوں کا اقتدار جاتا رہا۔ اس کا چچازاد بھائی کرتی ورما سوم اور اس کی اولاد زندہ تھی۔ غالباً یہ لوگ راشٹراکتوں کے باج گزار ہو گئے تھے لیکن ۹۷۳ء میں تیلپ جس کو تیل راجہ بھی کہا جاتا ہے اور جو کرتی ورما سوم کی ساتویں پشت میں تھا موقعہ سے فائدہ اٹھاکر آخری اشتراکت راجہ اموگھ ورش چہارم کو مغلوب کر دیا اور خاندان چالوکیہ کی از سرِ نو تعمیر کی۔ چنانچہ تیل راجہ اور اس کے دس جانشین دکن میں حکمراں ہو گئے۔ ان کا پایۂ تخت کلیانی تھا چنانچہ اس جدید پایۂ تخت کی وجہ سے ان کو چالوکیان کلیانی کہتے ہیں۔ ۱۱۵۶ء میں کلچوری خاندان کے راجہ بجل دوم نے آخری راجہ تیلپ سوم کو تخت سے علیحدہ کر دیا اور ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالی۔ اگرچہ تیلپ کے تین جانشین ۱۱۹۰ء یا ۱۲۰۰ء تک تخت کے مالک تھے لیکن وہ کلچوریوں کے دستبرد کی وجہ سے اس قدر کمزور تھے کہ پچھلے راجگان کی عظمت نہیں پیدا کر سکے بالآخر ۱۱۹۰ء میں دکن تین خاندانوں میں بٹ گیا جو یادو۔ کاکیتا۔ اور ہوسل کہلاتے ہیں اور چالوکیوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

کرتی ورما سوم

تیلپ یا تیل اول

بکرماجیت سوم

بھیم دوم

ایانا اول

بکرماجیت چہارم

(۱) تیلپ یا تیل دوم
۹۷۳ء تا ۹۹۷ء

(۲) ست آسرے
- کنڈ یا کنڈیگا — بنواسی پر ۱۰۱۹ء ۱۰۲۸ء تا ۱۰۳۱ء میں حکومت کی۔
- دختر

داس ورمن یا جسو ورمن
- (۳) بکرماجیت پنجم یا وکرامنکا ۱۰۰۸ - ۱۰۱۴ء
- (۴) ایانا دوم اکا دیوی (دختر) ۱۰۱۴ تا ۱۰۱۵ء صوبہ کی شو کا و پر حکمرانی کی۔ ۱۰۱۰ - ۱۰۵۴ء
- (۵) جے سمہ سوم ۱۰۱۵ تا ۱۰۴۲ء
  - (۶) سومیشور اول ۱۰۴۲ء تا ۱۰۶۸ء
    - (۷) سومیشور دوم ۱۰۶۸ء تا ۱۰۷۶ء
    - (۸) بکرماجیت ششم ۱۰۷۶ء تا ۱۱۲۶ء
      - جے کرن
      - (۹) سومیشور سوم ۱۱۲۶ء تا ۱۱۳۸ء
        - (۱۰) جگت ایک مل ۱۱۳۸ء تا ۱۱۵۱ء
        - (۱۱) تیلپ سوم ۱۱۵۱ء تا ۱۱۵۶ء
          - بھولوک مل ۱۱۶۰ میں ایک صوبے پر حکومت کی
          - جگت ایک مل سوم ۱۱۶۳ تا ۱۱۸۴ء بعض مقامات پر حکومت کی
          - سومیشور چہارم ۱۱۸۴ تا ۱۲۰۰ء
      - سیلال دیوی
        - سومیشور چہارم
    - جے سمہ چہارم
    - دشنو وردھن بجیاجیت
  - ہنما (دختر)

اس کو شجرہ نمبر (۲) سے ملا کر پڑھنا چاہئے۔ کیونکہ چالوکیوں کا ایک ہی خاندان ہے۔ چالوکیان کلیانی جو ۹۷۳ء میں پھر دکن کے راجہ ہوئے ہیں، وہ قدیم چالوکیوں کی اولاد تھے۔

(۷) خاندان کلچوری

۷۵۷ء تا ۱۱۸۳ء

یہ دکن کا ایک چھوٹا خاندان تھا جس نے چالوکیان کلیانی کو مغلوب کر کے دکن کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ اگرچہ اس خاندان کے بزرگ ناسک کے قریب حکمران تھے اور بجل دوم کے عہد تک چالوکیوں کے باجگزار کی حیثیت میں موجود تھے لیکن اس خاندان کا حقیقی اقتدار اس وقت ہوا جب کہ بجل دوم نے ۱۱۵۷ء میں تیلپ سوم چالوکی کو مغلوب کر دیا۔ بجل کے صرف تین جانشینوں نے ۱۱۸۳ء تک حکومت کی اور اسی زمانے میں چالوکیوں نے پھر اپنی سلطنت سنبھال لی۔ خاندان کلچوری کو "ہے ہے" بھی کہتے ہیں۔ جہا سرا رجن سے جن کا ذکر پرانوں میں آتا ہے ان کا نسلی رشتہ تھا۔ اس خاندان کا ذکر سمدر گپت کے مشہور کتبے میں پایا جاتا ہے جو الہ آباد میں موجود ہے۔ تیسری صدی عیسوی میں اس خاندان کے لوگ وسط ہندوستان میں حکومت کرتے تھے۔ راجہ بجل دوم اس خاندان کا سب سے زیادہ اقبالمند راجہ تھا۔ بیل ان کا نشان سلطنت تھا۔

کرشنا (ناسک کے قریب اس کی راجدھانی تھی)

شنکر گن

بدھ[1]

۶۰۷ تا ۶۱۰ء

....

کنم

(کرشنا یا کرن)

۱۰۴۲ء

- بجل اول
- راج یار اجلا
  - امتوگی
  - سنگم اول
  - کنترا
  - جوگم
    - پریادی
      - (۱) بجل دوم[2]
        - ۱۱۵۶ء
        - ۱۱۵۷ء میں سلطنت سے دستبردار ہوا
          - (۲) سومیشور یا رائے مراری ۱۱۶۷ تا ۱۱۷۵ء
          - (۳) سنگم (سمکھا ورن) ۱۱۷۵ تا ۱۱۸۰ء
          - (۴) آہومل (رائے نارائن) ۱۱۷۸ تا ۱۱۸۳ء
          - سنگن (۱۱۸۳)
          - سریادیوی (دختر)
      - میلوگی
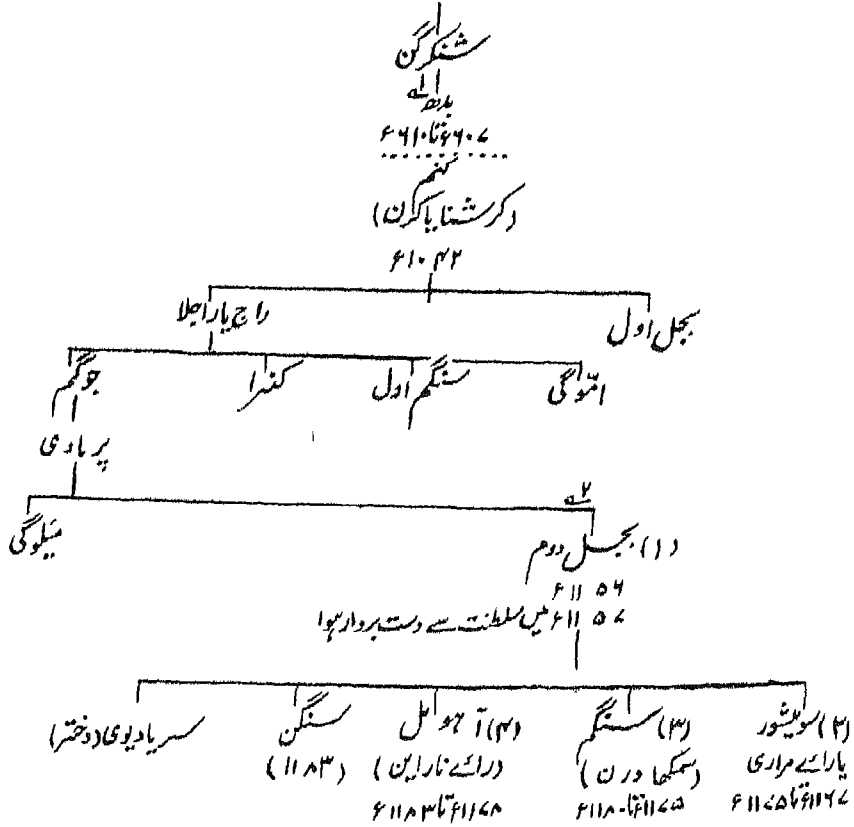
[1] بدھ کے بعد کنم تک راجاؤں کے نام نہیں ملتے اس لئے دونوں کے درمیان نقطے لگائے گئے ہیں۔

[2] بجل دوم سے پہلے کے لوگ برائے نام تھے۔ اس خاندان کی عظمت بجل دوم کے عہد سے شروع ہوئی۔

(۸) خاندان یادو

۱۱۹۰ءتا۱۳۱۸ء

چالوکیہ خاندان کے زوال کے بعد یادو راجگان شمال مغربی دکن میں جو اب مہاراشٹر کہلاتا ہے قابض ہو گئے۔ غالباً یہ لوگ یہاں چالوکیوں کے زمانے میں صوبہ دار تھے۔ اور یدو نامی ایک قدیم راجہ کی اولاد میں سمجھے جاتے ہیں جس کا ذکر پرانوں میں آتا ہے چنانچہ یدو کے نام سے یہ لوگ یادو کہلاتے ہیں[1]۔ اور شمال سے دکن میں آکر مسلط ہو گئے۔ جس شخص نے مہاراشٹر میں یادو خاندان کی بنیاد ڈالی وہ راجہ بھیلم ہے۔ اسی نے دیوگری کا شہر بنایا تھا جو اس خاندان کا پائے تخت ہو گیا اس نے ۱۱۸۷ء سے ۱۱۹۰ء تک حکومت کی قرائن یہ ہیں کہ وہ چالوکیوں کا صوبہ دار ہو گا لیکن اس کے جانشین خود مختار ہو گئے۔ راجہ بھیلم کے آٹھ جانشین گزرے ہیں لیکن آخری تین راجہ یعنی رامچندر جس کو مسلمان مورخ رام دیو لکھتے ہیں اور شنکر دیو اور ہرپال دیو خلجیوں کے باجگذار ہو گئے کیونکہ ۱۲۹۴ء میں علاءالدین خلجی نے دیوگری پر حملہ کر دیا۔ رامچندر نے اس کی اطاعت اختیار کرلی اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ دیوگری مسلمان حملہ آوروں کا مستقر بن گئی۔ بالآخر مبارک شاہ خلجی نے ۱۳۱۸ء میں ہرپال دیو کو جو رامچندر کا داماد تھا قتل کر کے دیوگری کو سلطنت دہلی میں ضم کرلیا۔

[1] کرناٹک کے ہوے سل راجگان اور میسور کے موجودہ راجگان بھی یادو کہلاتے ہیں لیکن ان کو دیوگری کے یادو خاندان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ملوگی

(۱) بھیلم
۱۱۸۷ - ۱۱۹۱ء

(۲) جیتر پال اول یا جیتوگی
۱۱۹۱ء تا ۱۲۱۰ء یا ۱۲۱۱ء

(۳) سنگھن
۱۲۱۰ء یا ۱۲۱۱ء تا ۱۲۴۶ یا ۱۲۴۷ء

جیتر پال دوم
حکومت نہیں کی

(۴) کرشنا (کنھر یا کندھر)
۱۲۴۶ یا ۱۲۴۷ تا ۱۲۵۹ یا ۱۲۶۰ء

رام چندر یا رام دیو[1]

شنکر (شنکر دیو)
۱۳۰۹ - ۱۳۱۲ء

دختر (اس کی ہر پال دیو سے شادی ہوئی تھی ۱۳۱۸ء میں مبارک خلجی نے اس کا خاتمہ کر دیا)

(۵) مہادیو
۱۲۵۹ یا ۱۲۶۰ - ۱۲۷۱ء
آمن
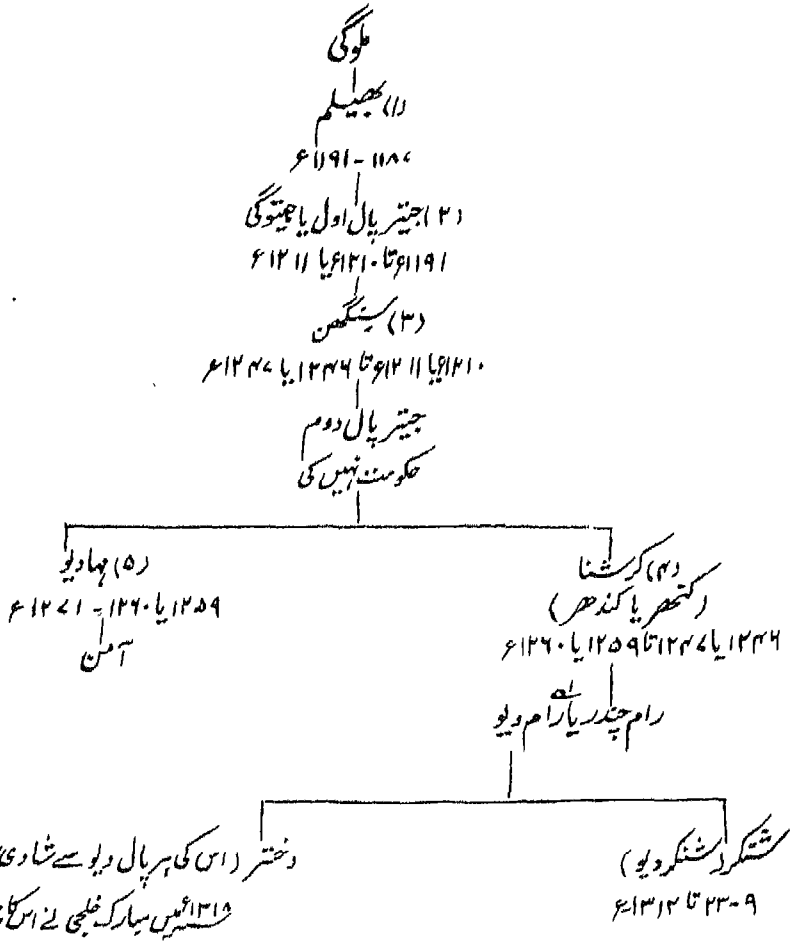
[1] چونکہ رامچندر یا رام دیو اور اس کے دو جانشین دہلی کے باجگزار ہو گئے تھے اس لئے ان پر نشان سلسلہ نہیں دیا گیا کیونکہ یہ خود مختار راجہ نہیں تھے۔

۹۔ خاندان کاکتیا

۱۱۶۳ء تا ۱۳۲۳ء

جب چالوکی سلطنت کمزور ہو گئی تو یہ خاندان مشرقی دکن میں جو تلنگانہ یا آندھرا ہے خود مختار ہو گیا۔ یہ پہلے چالوکیوں کے صوبہ دار تھے لیکن چالوکی سلطنت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اپنے مربیوں سے برسرِ پیکار ہو گئے چنانچہ راجہ پرول دوم نے جس کی سنہ ۱۱۱۰ء سے سنہ ۱۱۶۳ء تک عملداری تھی چالوکیوں سے کئی لڑائیاں لڑیں اور اس کا بیٹا پرتاب رودر دیوا اول تقریباً سنہ ۱۱۹۰ء کے قریب خود مختار ہو گیا گو وہ سنہ ۱۱۶۳ء میں اپنے باپ کا جانشین ہو گیا تھا۔ راجہ پرول سے لے کر پرتاب رودر ثانی کے زمانے تک اس خاندان کے پانچ راجاؤں نے حکومت کی۔ سنہ ۱۳۲۳ء میں سلطان محمد تغلق نے ان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ ان کا پائے تخت ورنگل یا ہنمکنڈہ تھا۔ کاکتیا کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں ہے ممکن ہے کہ یہ کسی جگہ سے موسوم ہوں۔ اگرچہ پرتاب رودر دیو کے دو جانشین کرشنا اور ونائک باقی رہے اور مسلمانوں کے خلاف جو اتحاد ہوا تھا اس میں شریک ہوئے تھے لیکن ورنگل کی راجدھانی سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا۔

(۱) ڈرجے
(۲) پرول مل دوم
(۳) تری بھوون مل بیٹے (بیٹم)
(۴) پرول دوم یا پروڈ
۱۱۱۷ء تا ۱۱۶۳ء
(۵) پرتاب رودر اول
۱۱۶۳ء تا ۱۱۹۹ء
مہادیو
(تین اور بیٹے)
(۶) گن پتی
۱۱۹۹ء تا ۱۲۶۰ء
میلالا (دختر)
(۷) رودر اما (دختر)
۱۲۶۰ء تا ۱۲۹۱ء
گن پامبکا (دختر)
ممّوڈمبا (دختر) اہلیہ مہادیو
پرتاب رودر دوم
۱۲۹۱ء تا ۱۳۲۳ء
انم دیو
کرشنا یا ویر بھیدرا
ونایک
۱۳۶۴ء میں محمد شاہ بہمنی کے ہاتھوں مارا گیا۔
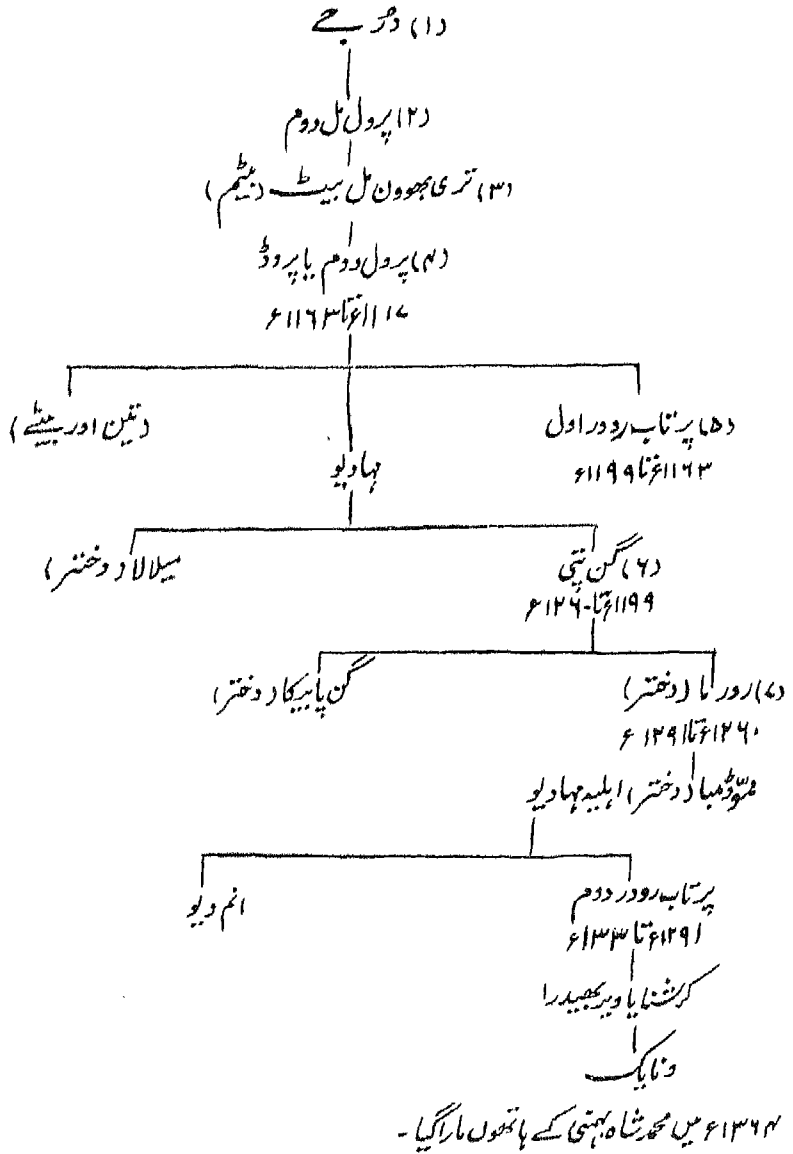
۱۰۔ خاندان ہوئے سل

۱۰۸۳ء تا ۱۳۴۷ء

یہ راجگان بھی پہلے کرناٹک میں جہاں انھوں نے اپنی راجدھانی قائم کرلی چالوکیوں کے صوبہ دار تھے۔ اگرچہ اس خاندان کا مورث اعلیٰ نری پالکم تھا جس نے ۱۰۲۲ء سے ۱۰۴۷ء تک کرناٹک میں صوبہ داری کی تھی لیکن چھٹے راجہ بلال دوم کے عہد میں اس خاندان کو فروغ ہوا جبکہ چالوکی اور کلچوری کمزور ہوگئے۔ بلال دوم نے ۱۱۸۳ء میں کلچوریوں کے اکثر مقبوضات چھین لئے اور مستقل راجدھانی قائم کرلی۔ یہ کرناٹک کی سلطنت تھی جس کا پایۂ تخت دوارتی پور یا دوار سمودر تھا جو اب ریاست میسور کے شمالی ضلع ہیلے بید میں واقع ہے اگر ابتدائی صوبہ داروں کو شامل کیا جائے تو اس خاندان کے گیارہ راجہ گزرے ہیں۔ آخری راجہ بلال سوم کا سلطان محمد تغلق نے ۱۳۲۶ء میں خاتمہ کردیا اور یہ سلطنت دہلی میں ضم ہوگئی یا دوسری روایت سمجھی جائے تو سلطان محمد تغلق نے تو اس راجدھانی کا خاتمہ کردیا تھا لیکن بلال سوم والی مدورا غیاث الدین کے ہاتھوں سے ۱۳۴۳ء میں مارا گیا۔

ہوئے سل کا وجہ تسمیہ یہ بتایا جاتا ہے کہ اس خاندان کا ایک قدیم راجہ سل نامی تھا۔ ایک روز یہ اپنے گرو سے ملنے کے لیے گیا۔ جس وقت یہ اپنے گرو کے پاس پہنچا تو اتفاق سے وہاں ایک آدم خوار شیر بھی آگیا۔ شیر حملہ کرنا چاہتا تھا کہ گرو نے راجہ سل کو اپنا ایک ہتھیار دے کر کہا کہ "ہوئے سل"۔ "ہوئے" کے معنی کنڑی زبان میں "مار" کے ہوتے ہیں یعنی اے راجہ سل تو شیر کو مار۔ جب سل نے شیر کو مار دیا تو اس واقعہ سے اس خاندان کا نام ہوئے سل ہوگیا۔ اس خاندان کو بلال خاندان بھی کہتے ہیں اور بلال کے معنی بہادر کے ہیں۔

(۱) نرپ کام یا راجل پہ مادی

(۲) دنیاجیت
یرلے نیگ

(۳) بلال اول
(۹۱۰۰اء تا ۱۱۰۶ء)

(۴) وشنو وردھن
۱۱۰۶ء تا ۱۱۴۱ء

اودے جیت
۱۱۲۲ء میں ہوا

نرسمہا اول
۱۱۴۱ء تا ۱۱۷۳ء

(۶) بلال دوم
۱۱۷۳ء تا ۱۲۲۰ء

(۷) نرسمہہ دوم
۱۲۲۰ء تا ۱۲۳۵ء

(۸) سومیشورا یا سوئی دیو

(۹) نرسمہہ سوم
۱۲۵۴ - ۱۲۹۱ء

پونم بالا (دختر)

(۱۰) رام ناتھ
۱۲۵۵ - ۱۲۹۵ء

(۱۱) بلال سوم
۱۲۹۲ء تا ۱۳۴۲ء

سوما

ملی دیو

وشو ناتھ
۱۲۹۴ء

من جیتا گنگتر

بلال چہارم
۱۱ اگست ۱۳۴۳ء میں گدی نشین ہوا لیکن برائے نام حکومت کی۔ اور راجدھانی پر بیجانگر کا قبضہ ہوگیا۔

تیپارس بھیرو

حصۂ دوم

دورِ وسطیٰ

۱۱- خاندان بیجانگر

۱۳۳۶ء تا ۱۵۶۵ء
۷۳۷ھ تا ۹۷۲ھ

جب مسلمان حملہ آوروں نے دکن کی تمام ہندو طاقتوں کا خاتمہ کر دیا تو ان طاقتوں کے منتشر افراد نے اپنے بقا کی کوشش کی اور مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے آپس میں ایکا کیا۔ چنانچہ ۱۳۲۷ء/۷۳۷ھ کے بعد جب کہ کرناٹک کی سلطنت کا خاتمہ ہوا تو اس سلطنت کے آخری راجہ بلال سوم نے اس اتحاد کی رہنمائی کی جس میں اس زمانے کے مشہور گرو مادھو اچاریہ کا بھی بہت ہاتھ تھا۔ جب بلال سوم کا خاتمہ ہو گیا تو اس کے صوبہ دار ہری ہر اور بُک نے اس اتحاد کو قائم رکھا اور گرو کے مشورے سے تنگبھدرا کی وادی میں ۱۳۳۶ء/۷۳۷ھ میں ایک نئی سلطنت قائم کر دی جو بیجانگر کے نام سے مشہور ہوئی اور ۱۵۶۵ء/۹۷۲ھ تک دو سو سال سے زیادہ قائم رہی۔ اس سلطنت پر تین خاندانوں نے حکومت کی اور وہ یہ ہیں۔

۱- خاندان سنگم۔ اس خاندان کے بانی ہری ہر اور بُک دو بھائی تھے چونکہ ان کے باپ کا نام سنگم تھا اس لیے یہ خاندان اسی نام سے موسوم ہوا۔ اس خاندان کے ۹ راجہ گزرے ہیں آخری راجہ ویرو پاکشا کو اس کے ایک فوجی افسر نے جس کا نام سالووا نرسمہا تھا علیحدہ کر کے تخت پر قبضہ کر لیا اور ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالی۔

۲- خاندان سالووا یہ خاندان جس کو نرسمہا نے قائم کیا تھا صرف ۱۵۰۵ء/۹۱۱ھ تک حکمران رہا۔ اس کے صرف تین راجہ ہیں یعنی نرسمہا کے دو بیٹوں نے حکومت کی۔ دوسرے بیٹے امادی نرسمہا کو تولووا نرسا نائک نامی وزیر نے ۱۵۰۵ء/۹۱۱ھ میں بیدخل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا اور اپنے خاندان کی بنیاد ڈالی۔

۳- خاندان تولووا۔ یہ خاندان جس کو نرسا نائک نے قائم کیا تھا ۱۵۶۵ء/۹۷۲ھ تک حکمران رہا۔

اور اس کے چھ راجہ گزرے ہیں۔ منجملہ اس کے کرشنا دیو رائے بہت اقبالمند تھا اور اس کی دکن میں دور دور تک شہرت تھی۔ لیکن آخری راجہ سدا شو رائے اس قدر کمزور ہو گیا کہ اس سے فائدہ اٹھا کر اس کا وزیر رام راج سلطنت پر حاوی ہو گیا اور اس کے عہد میں دکن کی اسلامی سلطنتوں نے اتحاد کر کے ۱۵۶۵ء (۹۷۲ھ) میں بیجانگر کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ اگرچہ رام راج اور سدا شو رائے کے جانشین کئی سال تک پنگنڈہ میں راج کرتے رہے لیکن بیجانگر کی اصل عظمت کبھی نہیں پلٹی۔ جس متحدہ طاقت نے بیجانگر پر حملہ کیا تھا اس میں بیجاپور، احمد نگر، گولکنڈہ اور بیدر شامل تھے۔

خاندان سنگم
١٣٣٦ء تا ١٤٨٥ء
٧٣٧ھ تا ٨٩٠ھ
سنگم اول
(١) ہری ہر اول
١٣٣٦ء تا ١٣٥٥ء
کمپنا اول
(٢) بک اول
١٣٥٥ء تا ١٣٧٧ء
مارپا
ساونا دوم
ساونا اول
(١٣٥١ء تا ١٣٦٤ء)
سنگم دوم
(١٣٤٨ء تا ١٣٦٠ء)
(٣) ہری ہر دوم
١٣٧٧ء تا ١٤٠٤ء
کمپنا دوم
حکومت نہیں کی
ویروپنا یا ویروپاکشا اول
(١٣٥٤ء تا ١٣٧٨ء)
بھاسکر بھودور
ادوے گری پر حکومت کی
ملی ناتھ
(١٣٦٢ء)
چن اپا
(١٣٩٧ء)
(اور دیگر)
(٤) بک دوم
١٤٠٤ء تا ١٤٠٦ء
بھوپتی اودے یار
(١٣٨٦ء تا ١٤٠٩ء تا ١٤٢٢ء)
ویروپاکشا دوم
(٥) دیو رائے
١٤٠٦ء تا ١٤٢٢ء
چکارائے
جومنا
(١٣٧٩ء)
ملپا یا ملنا
(١٤١٢ء تا ١٤٢١ء)
(٦) وجے یا بک سوم
چند ماہ حکومت کی (١٤٢٢ء)
ہری ہر سوم
رام چندر
اودے گری پر حکمرانی کی
(١٤٠٧ء تا ١٤١٦ء)
ہری ما (دختر)
(٧) دیو رائے دوم یا ابھی نو یا پراوڑھ پرتاب
١٤٢٢ء تا ١٤٤٦ء
سری گیر نیدر یا پردت رائے
٤٣-١٤٤٢ء میں مارا گیا
(٨) ملکارجن یا پراوڑھ پرتاب، اماڑی، وجے
١٤٤٦ء تا ١٤٦٥ء
(٩) ویروپاکشا سوم
٨ نومبر ١٤٦٥ء میں گدی نشین ہوا۔ غالباً ١٤٨٦ء میں سالوا نرسمہا نے
حکومت چھین لی اور اسے مار بھگایا
پڑاوڑھ دیو

خاندان سالووا
۱۴۸۵ء تا ۱۵۰۵ء
۸۹۰ھ تا ۹۱۱ھ

سالووا نرسمہا اول
۸۶-۱۴۸۵ء تا ۹۳-۱۴۹۲ء

ایک لڑکا
بہ تمرارس نامی ایک غلام کے ہاتھوں مارا گیا

اماڑی نرسمہا
یانیا یا تمیا ' (دہرم راے)
۱۵۰۵ء میں قتل ہوا۔
تلووا وزیر نرسا نائک نے حکومت چھین لی۔

خاندانِ تولووا

۱۵۰۵ء تا ۱۵۶۵ء

۹۱۱ھ تا ۹۷۲ھ

۱۲۔ خاندان بہمنی

۱۳۴۷ء تا ۱۵۲۷ء

۷۴۸ھ تا ۹۳۴ھ
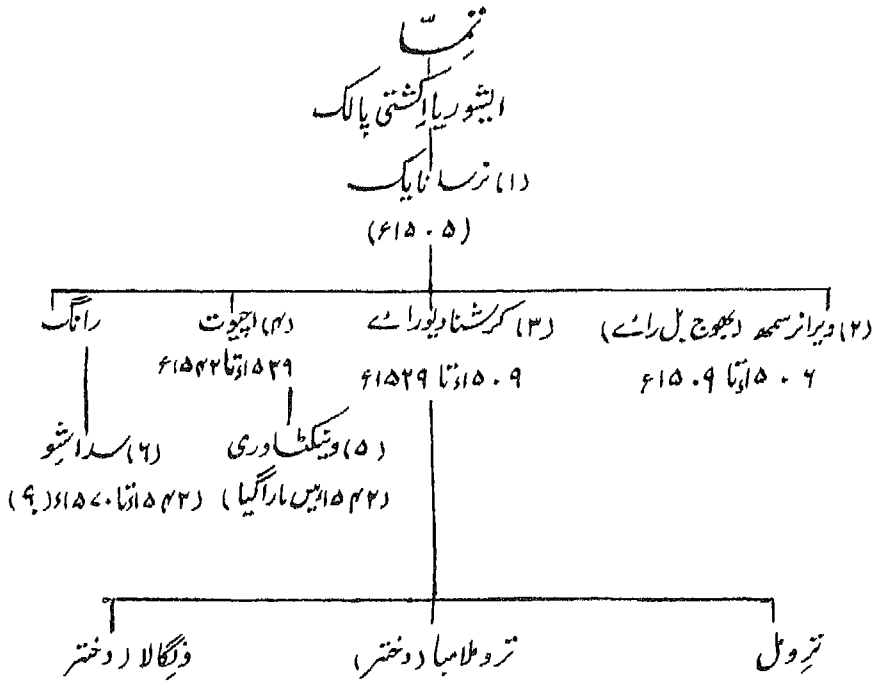
اس خاندان کا بانی علاء الدین بہمن شاہ ہے جس کا اصل نام ظفر خاں تھا۔ جب سلطان محمد تغلق کی حکومت کمزور ہو گئی تو دوسرے صوبوں کی طرح دکن بھی دہلی سے علیحدہ ہو گیا۔ امیران صدہ نے جو دکن کے نظم و نسق کے ذمہ دار تھے اپنی بادشاہی کے لیے پہلے اسمٰعیل مخ کو نامزد کیا لیکن جب دو سال کے بعد اسمٰعیل مستعفی ہو گیا تو ظفر خاں کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا جس کو دکن کا پہلا بادشاہ سمجھنا چاہیئے۔ اس کے متعلق مورخ فرشتہ کہتا ہے کہ یہ دہلی کے ایک ہندو زمیندار گنگا برہمن کا نوکر تھا چنانچہ اسی نسبت سے اس نے علاؤالدین حسن گنگو بہمنی کا لقب اختیار کیا تھا لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے سکوں اور کتبوں میں کہیں گنگو کا لفظ نہیں پایا جاتا۔ اصل بات یہ ہے کہ علاؤالدین حسن ایران کے مشہور بادشاہ بہمن بن اسفندیار کی اولاد سے ہے اسی لیے یہ اور اس کے تمام جانشین اپنے کو بہمن شاہ کہتے تھے اور یہی الفاظ تمام سکوں اور کتبوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے یہ خاندان بہمنی کہلاتا ہے۔

پہلے اس سلطنت کی بنیاد دولت آباد میں رکھی گئی تھی جو اس وقت دکن کا مرکز تھا لیکن علاؤالدین حسن بہمن شاہ نے بہت جلد دولت آباد کو چھوڑ کر گلبرگے کو اپنا پائے تخت بنا لیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ گلبرگہ اس سلطنت کی جنوبی سرحد سے جس کے نیچے سلطنت بیجانگر قائم تھی قریب پڑتا تھا۔ اور بہمنی بادشاہوں کو اس جنوبی سلطنت سے ہمیشہ باخبر رہنا پڑتا تھا کیونکہ یہ بہت طاقتور تھی۔ برخلاف اس کے شمال سے ان کو کوئی ڈر نہیں تھا۔ فیروز شاہ کے عہد تک جو اس خاندان کا آٹھواں بادشاہ ہے یہ لوگ گلبرگے میں

راج کرتے رہے ان کے مقبرے گلبرگے میں ہیں لیکن جب اس کا بھائی احمد شاہ ولی بہمنی اپنے بھائی کو شکست دے کر ۱۴۲۲ء سنہ ۸۲۵ھ میں بادشاہ ہوگیا تو اس نے ۱۴۳۳ء سنہ ۸۳۳ھ میں گلبرگے کو چھوڑ کر بیدر کو اپنا پائے تخت بنالیا جو بہت اونچی اور خوشگوار جگہ تھی اور اس نئے پائے تخت کو بہت رونق دی گئی چنانچہ آخری زمانے یعنی ۱۵۲۷ء سنہ ۹۳۴ھ تک یہی بہمنیوں کا پائے تخت رہا اور یہاں احمد شاہ اور اس کے نوجانشینوں نے حکومت کی گو آخری پانچ سلاطین برائے نام ہو کر رہ گئے تھے۔ ان دس سلاطین کے مقبرے بیدر میں ہیں۔ اس طرح سے اس خاندان بہمنی کے دو حصے کیے جاسکتے ہیں۔ ایک خاندان گلبرگہ دوسرے خاندان بیدر۔ جب آخری بادشاہ کلیم اللہ بریدوں کی ناحق شناسی سے تنگ آکر بیدر سے بھاگ گیا تو خاندان بہمنی ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا۔

خاندان بہمنی (گلبرگہ)

علاء الدین حسن بہمن شاہ
۱۳۴۷ تا ۱۳۵۸ ع
۷۴۸ ھ تا ۷۵۹ ھ

- (۲) محمد شاہ اول — ۱۳۵۸ تا ۱۳۷۵ ع، ۷۵۹ تا ۷۷۶ ھ
  - (۳) مجاہد شاہ — ۱۳۷۵ تا ۱۳۷۸ ع، ۷۷۶ تا ۷۷۹ ھ
  - فتح خاں
  - روح پرور آغا (دختر)
- داؤد شاہ — ۱۳۷۸ تا ۱۳۷۸ ع، ۷۷۹ تا ۷۸۰ ھ
  - محمد سنجر
- احمد خاں
  - (۸) فیروز شاہ — ۱۳۹۷ تا ۱۴۲۲ ع، ۸۰۰ تا ۸۲۵ ھ
    - حسن خاں
    - مبارک خاں
  - احمد شاہ ولی بہمنی
- محمود خاں
  - (۵) محمد شاہ دوم — ۱۳۷۸ تا ۱۳۹۷ ع، ۷۸۰ تا ۷۹۹ ھ
    - (۶) غیاث الدین — ۱۳۹۷ ع، ۷۹۹ ھ
    - (۷) شمس الدین — ۱۳۹۷ ع، ۷۹۹ ھ
    - دختر زوجہ فیروز شاہ
    - دختر زوجہ احمد شاہ

بہمنی سلاطین کے شجرے میں بہت اختلاف ہے۔ ہر مورخ اپنا خیال پیش کرتا ہے۔ فرشتہ علاء الدین بہمن شاہ کے تین بیٹے بتاتا ہے۔ احمد خاں کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ برہان ماثر اور تذکرۃ الملوک کے مولف داؤد خاں کو محمد خاں کا بیٹا اور علاء الدین حسن کا پوتا بتاتے ہیں اور تذکرہ ہفت اقلیم کی رو سے علاء الدین حسن کے دو بیٹے تھے۔ محمد شاہ اور محمد خاں۔ اور محمد شاہ دوم اور داؤد شاہ کو وہ محمد خاں کے بیٹے لکھتا ہے۔ لیکن سکوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مورخوں کا خیال صحیح نہیں ہے بلکہ یہ شجرہ جو یہاں درج ہے زیادہ صحیح ہے۔

چھٹے اور ساتویں بادشاہ غیاث الدین اور شمس الدین نے صرف چند مہینے حکومت کی تھی یہ دونوں ایک ہی سال تخت نشین ہوئے اور علیحدہ بھی کر دئے گئے۔

خاندان بہمنی (بیدر)

(۹) شہاب الدین احمد شاہ ولی بہمنی
۱۴۲۲ء تا ۱۴۳۶ء
۸۲۵ھ تا ۸۳۹ھ

- **(۱۰) ظفر خاں (علاؤ الدین احمد شاہ ثانی)**
  ۱۴۳۶ء تا ۱۴۵۸ء
  ۸۳۹ھ تا ۸۶۲ھ
  - **(۱۱) ہمایوں شاہ**
    ۱۴۵۸ء تا ۱۴۶۰ء
    ۸۶۲ھ تا ۸۶۵ھ
    - **(۱۲) نظام شاہ**
      ۱۴۶۱ء تا ۱۴۶۳ء
      ۸۶۵ھ تا ۸۶۷ھ
    - **(۱۳) محمد شاہ سوم (لشکری)**
      ۱۴۶۳ء تا ۱۴۸۲ء
      ۸۶۷ھ تا ۸۸۷ھ
      - **(۱۴) محمود شاہ**
        ۱۴۸۲ء تا ۱۵۱۸ء
        ۸۸۷ھ تا ۹۲۴ھ
        - **(۱۵) احمد شاہ ثانی**
          ۱۵۱۸ء تا ۱۵۲۱ء
          ۹۲۴ھ تا ۹۲۷ھ
        - **(۱۶) علاء الدین شاہ سوم**
          ۱۵۲۱ء تا ۱۵۲۲ء
          ۹۲۷ھ تا ۹۲۸ھ
        - **(۱۷) ولی اللہ**
          ۱۵۲۲ء تا ۱۵۲۵ء
          ۹۲۸ھ تا ۹۳۱ھ
        - **(۱۸) کلیم اللہ**
          ۱۵۲۵ء تا ۱۵۲۷ء
          ۹۳۱ھ تا ۹۳۴ھ
    - جمشید یا احمد خاں
  - حسن خاں
  - یحییٰ خاں
- داؤد
- محمود
- محمد

بعض مورخ احمد شاہ ثانی (۱۵) کو محمد شاہ کا بھائی بتاتے ہیں اور بعض لوگ علاء الدین سوم کو احمد شاہ ثانی کا بیٹا لکھتے ہیں لیکن سکوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ احمد شاہ دوم علاء الدین سوم ولی اللہ اور کلیم اللہ سب محمد شاہ کے بیٹے تھے۔

(۱۳) خاندان عماد شاہی (برار)

۱۴۹۰ء تا ۱۵۷۴ء

۸۹۵ھ تا ۹۸۲ھ

اس خاندان کا بانی فتح اللہ عماد الملک ہے جس کے باپ دادا ہندو تھے۔ اور یہ روایت مشہور ہے کہ یہ احمد شاہ ولی بہمنی کے عہد میں بیجانگر کی لڑائیوں میں گرفتار ہو کر بیدر آیا تھا[1]۔ اور برار کے سر لشکر خاں جہاں کو بطور غلام دیا گیا لیکن خانجہاں نے اس کی خاطر خواہ تعلیم و تربیت کی جس کی بدولت وہ ایسا لائق ہوا کہ خانجہاں کا معتمد ہو گیا۔ محمد شاہ لشکری کے عہد میں جب خانجہاں کا انتقال ہو گیا تو اس نے اپنی ترقی کے لیے خواجہ محمود گاواں کی سرپرستی اختیار کی جو اس زمانے میں بہمنی سلطنت کا وزیر تھا۔ محمود گاواں نے بھی اس کی قدر کی چنانچہ بہمنی دربار سے اس کو عماد الملک کا خطاب دلایا گیا اور ۱۴۷۲ء ۸۷۷ھ میں جب کہ محمد گاواں نے کونکن کی فتوحات کے بعد مختلف صوبہ داروں کو مامور کیا تو فتح اللہ کو برار کی گورنری دی اور غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ فتح اللہ برار سے اچھی طرح واقف تھا۔ اور جب ۱۴۸۰ء ۸۸۵ھ میں محمد گاواں نے سلطنت کے چار صوبے تقسیم کر کے آٹھ صوبے کر دیئے تو برار کے بھی دو حصے قرار

---

[1] بعض مورخ اس کو راجگان بیجانگر کی اولاد سے بتاتے ہیں جو غالباً صحیح نہیں ہے۔ اس کے علاوہ احمد شاہ ولی بہمنی کے عہد حکومت میں اس کا گرفتار ہو کر آنا بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ احمد شاہ کے عہد سے محمود شاہ تک جبکہ اس کی ترقی ہوئی ہے ایک طویل زمانہ ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ احمد شاہ کے عہد میں آیا تھا تو سنہ ۱۴۹۰ء ۸۹۶ھ میں اس کی عمر ۷۰ سال سے متجاوز ہو گی حالانکہ وہ اس قدر بڈھا نہیں تھا۔ اس لیے غالباً وہ علاء الدین ثانی کے عہد میں آیا ہو گا۔

بانٹے تھے۔ شمالی برار گاویل اور جنوبی ماہور۔ گاویل پر عماد الملک اور ماہور پر خداوند خاں حبشی مامور ہوئے۔ اور جب ۱۴۸۱ء (۸۸۶ھ) میں محمود گاواں کا قتل ہو گیا اور اس کے ہمدرد محمد شاہ لشکری سے منحرف ہو گئے تو یہ بھی سرکش ہو گیا اور یوسف عادل خاں کی طرح بادشاہ کے پاس آنے سے انکار کر دیا کیونکہ یہ محمود گاواں کے فرقے میں شامل تھا۔ محمد شاہ لشکری کے انتقال کے بعد جو ۱۴۸۲ء (۸۸۷ھ) میں ہوا تھا ملک حسن نظام الملک نے اس کو اپنے فرقہ میں شامل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بار آور نہیں ہوئی۔ ۱۴۸۶ء (۸۹۲ھ) میں ملک حسن کا خاتمہ ہو گیا۔ اور ۱۴۹۰ء (۸۹۵ھ) میں دوسرے صوبہ داروں کی طرح فتح اللہ عماد الملک بھی خود مختار ہو گیا اور نئے خاندان کی بنیاد ڈالی۔

کئی سال تک برار کے دو حصے تھے ایک حصہ پر خداوند خاں حبشی قابض تھا مگر فتح اللہ کے بیٹے علاء الدین عماد شاہ نے امیر علی برید کے حملے سے فائدہ اٹھا کر جو ماہور پر ہوا تھا ۱۵۱۷ء (۹۲۳ھ) میں پورے برار پر قبضہ کر لیا اور عماد شاہ کا لقب اختیار کیا۔ اسی لقب سے یہ خاندان عماد شاہی کہلاتا ہے۔ تاہم برار کی ایک چھوٹی سلطنت تھی جو کبھی اپنی ہمسایہ سلطنتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی چنانچہ ۱۵۲۷ء (۹۳۴ھ) میں برہان نظام شاہ والی احمد نگر کا ایک ایسا حملہ ہوا تھا کہ علاء الدین عماد شاہ کو برار چھوڑ کر بھاگنا پڑا اور اس کو بڑی مشکل سے سلطنت واپس ملی۔ اس کے بعد جب ۱۵۶۲ء (۹۷۰ھ) میں علاء الدین کے بیٹے دریا عماد شاہ کا انتقال ہو گیا تو یہ سلطنت اور بھی کمزور ہو گئی کیونکہ اس کا ایک کمسن بیٹا برہان اس کا جانشین ہوا۔ اس بچے کی کمسنی سے فائدہ اٹھا کر اس کا وزیر تفال خاں ۱۵۶۴ء (۹۷۲ھ) میں سلطنت پر قابض ہو گیا۔ یہ بھی احمد نگر کی تاب نہیں لا سکا اس لئے کبھی شہنشاہ اکبر سے اور کبھی بریدیوں سے مدد مانگی۔ مگر مرتضیٰ نظام شاہ اول والی احمد نگر نے ۱۵۷۴ء (۹۸۲ھ) میں برار پر قبضہ کر کے عماد شاہی خاندان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔

(۱) فتح اللہ عماد شاہ

۱۴۹۰ء تا ۱۵۰۴ء
۸۹۵ھ تا ۹۱۰ھ

(۲) علاء الدین عماد شاہ

۱۵۰۴ء تا ۱۵۲۹ء
۹۱۰ھ تا ۹۳۷ھ

(۳) دریا عماد شاہ

۱۵۲۹ء تا ۱۵۶۲ء
۹۳۷ھ تا ۹۷۰ھ

دولت شاہ (دختر)
زوجہ حسین نظام شاہ والی احمد نگر

(۴) برہان عماد شاہ
۱۵۶۲ء تا ۱۵۶۴ء
۹۷۰ھ تا ۹۷۲ھ

تفال خاں (غاصب)

۱۵۶۴ء تا ۱۵۷۴ء
۹۷۲ھ تا ۹۸۲ھ

بادشاہوں کے علاوہ اس خاندان کے اور افراد کا پتہ نہیں چلتا۔

(۱۴) خاندان نظام شاہی (احمد نگر)

۱۴۹۰ء تا ۱۶۳۳ء
۸۹۵ھ تا ۱۰۴۳ھ

اس خاندان کے اصل بانی ملک حسن نظام الملک بحری ہے جو محمود گاواں کے مقابلے میں دکھنی فریق کا رہنما تھا۔ یہ اور اس کے باپ دادا پاتھری[1] کے پٹواری اور ذات کے برہمن تھے۔ ملک حسن کا اصل نام تیما بھٹ بتایا جاتا ہے۔ کسی قحط کی وجہ سے ملک حسن اور اس کے ماں باپ بجیانگر بھاگ گئے تھے۔ لیکن علاء الدین ثانی کے عہد میں بجیانگر سے جو لڑائیاں ہوئیں[2] تو ان میں یہ گرفتار ہو کر بیدر آیا تھا اس وقت یہ بہت کمسن تھا۔ بیدر میں اس کی تعلیم و تربیت ہوئی اور ہمایون بہمنی کے عہد میں اس کو محمد شاہ لشکری کے ساتھ رکھا گیا۔ چنانچہ ملک حسن ہمیشہ تعلیم اور کھیل کود میں شاہزادے کے ساتھ شریک رہتا تھا اس طریقے سے محمد شاہ سے اس کے گہرے تعلقات ہو گئے اور جب محمد شاہ لشکری ۱۴۶۳ء/۸۶۷ھ میں بادشاہ ہوا تو بادشاہ کی قربت سے فائدہ اٹھا کر یہ بہت ترقی کر گیا چنانچہ نظام الملک بحری اس کا خطاب ہو گیا اور اس کو تلنگانے کی صوبہ داری ملی اور اس کے بیٹے ملک احمد کو ماہور میں جاگیر دی گئی۔ محمود گاواں اسی کی سازش سے ۱۴۸۱ء/۸۸۶ھ میں قتل ہوا۔ اس کی

---

[1] پاتھری موجودہ پربھنی سے تقریباً ۲۵ میل کے فاصلے پر دریائے گوداوری کے قریب واقع ہے۔

[2] اکثر تاریخوں میں ملک حسن کا احمد شاہ ولی کے عہد میں گرفتار ہونا بتایا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر یہ احمد شاہ کے عہد میں گرفتار ہو کر آیا تھا تو محمد شاہ لشکری کے عہد میں اس کی عمر بہت ہونی چاہئے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ محمد شاہ لشکری کا ہمعمر تھا۔

وجہ یہ تھی کہ محمود گاواں ترکوں اور ایرانیوں کی سرپرستی کرتا تھا جن کے اہل ملک مخالف تھے۔ ان قتل کے بعد محمود گاواں کی وزارت ملک حسن کو ملی۔ اس نے اپنے بیٹے ملک احمد کو بادشاہ سے نظام الملک کا خطاب عطا کرکے دولت آباد کا صوبہ دار بنایا تھا جو اس کی آیندہ ترقی کا باعث ہوا۔ محمد شاہ لشکری کے انتقال کے بعد اس کے جانشین محمود شاہ سے ملک حسن کی ان بن ہوگئی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۴۸۶ء ۸۹۱ھ میں یہ بھی محمود گاواں کی طرح بیدر میں قتل ہوگیا۔ اس واقعہ سے ڈر کر اس کا بیٹا ملک احمد نظام الملک ۱۴۹۰ء ۸۹۵ھ میں اپنے صوبے میں خود مختار ہوگیا۔ پہلے تو جنیر اس کا پایہ تخت تھا لیکن بعد کو اس نے دریائے گوداوری سے قریب اپنے نام سے ایک نیا شہر آباد کیا جو اس جدید سلطنت کا پایۂ تخت قرار پایا۔ چونکہ احمد کے جانشینوں نے نظام شاہ لقب اختیار کرلیا تھا اس لیے یہ خاندان نظام شاہی کہلاتا ہے۔ اس خاندان کے گیارہ بادشاہ گزرے ہیں۔

حسین نظام شاہ اول کے عہد تک جو اس خاندان کا تیسرا بادشاہ ہے یہ سلطنت بہت ترقی کرتی گئی۔ حسین نظام شاہ ہی جنگ تالیکوٹ کا فاتح ہے لیکن اس کی وفات کے بعد جو ۱۵۶۵ء ۹۷۲ھ میں ہوئی تھی اس کے کمزور جانشینوں کی وجہ سے اس سلطنت کو بہت نقصان پہنچا اس کا بیٹا مرتضیٰ نظام شاہ اور پوتا حسین نظام شاہ ثانی نا اہل ثابت ہوئے آخرالذکر کی کوئی اولاد نہیں تھی اور حسین نظام شاہ اول کا بھائی برہان نظام شاہ شہنشاہ اکبر کے دربار میں تھا تو اس کے بیٹے اسمٰعیل نظام شاہ کو تخت نشین کردیا گیا لیکن اس خبر سے خود برہان شمال سے بھاگ آیا اور ایک سال کے اندر تخت پر قبضہ کرلیا۔ اس کی حکومت بھی جو صرف چار سال رہی کچھ کامیاب نہیں ہوئی۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے دوسرے بیٹے ابراہیم نظام شاہ کو تخت نشین کیا گیا۔ یہ بھی ایک سال کے اندر بیجاپور کی ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اس کا جانشین ایک شیرخوار بچہ بہادر نظام شاہ تھا جس کو ملک کے ایک فریق نے بادشاہ نہیں مانا بلکہ اس کے مقابلے میں شاہ طاہر کے ایک بیٹے کو جس کا نام احمد تھا

بادشاہی کے لیے کھڑا کر دیا۔ اس طرح اس وقت ملک کے گویا دو بادشاہ تھے اور دو فریق آپس میں لڑنے لگے۔ اسی زمانے میں مغلوں نے شمال سے حملہ کر دیا۔ اگرچہ ۱۵۹۶ء/۱۰۰۴ھ میں چاند بی بی نے اسکی مدافعت کی اور چار سال تک اس سلطنت کو بچا لیا لیکن اس کے مرنے کے بعد ۱۶۰۰ء/۱۰۰۸ھ میں مغلوں نے قلعہ احمد نگر پر قبضہ کر لیا۔ اور بہادر نظام شاہ کو قید کر کے شمال لیے گئے۔ تاہم نظام شاہی سلطنت کے اکثر علاقے باقی تھے جن کو مغل مسخر نہیں کر سکے ملک عنبر نے جو نظام شاہی سلطنت کا وفادار وزیر تھا اس سلطنت کی حفاظت اپنے ذمے لی اور حسین نظام شاہ کے بھائی شاہ علی کے بیٹے کو جس کا نام مرتضٰی نظام شاہ ثانی ہے ۱۶۰۳ء/۱۰۱۲ھ میں بادشاہ بنا کر اس سلطنت میں از سر نو جان ڈال دی اس لئے مغل فوجوں کو پے در پے شکستیں دیں اور اس سلطنت کو اپنی زندگی تک بچائے رکھا لیکن جب ۱۶۲۶ء/۱۰۳۶ھ میں اس کا انتقال ہو گیا تو اس کا بیٹا فتح خاں اس کا صحیح جانشین ثابت نہیں ہوا۔ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر شاہجہاں نے ۱۶۳۳ء/۱۰۴۴ھ میں اس کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا اور آخری بادشاہ حسین نظام شاہ سوم کو جو مرتضٰی کا بیٹا تھا قید کر دیا۔

ملک حسن نظام الملک بحری

- (۱) احمد نظام شاہ
  ۱۴۹۰ء تا ۱۵۰۹ء
  ۸۹۵ھ تا ۹۱۵ھ
  - (۲) برہان نظام شاہ
    ۱۵۰۹ء تا ۱۵۵۳ء
    ۹۱۵ھ تا ۹۶۰ھ
    - (۳) حسین نظام شاہ اول
      ۱۵۵۳ء تا ۱۵۶۵ء
      ۹۶ ھ تا ۹۷۲ھ
      - (۴) مرتضیٰ نظام شاہ اول
        ۱۵۶۵ء تا ۱۵۸۶ء
        ۹۷۲ھ تا ۹۹۵ھ
        - (۵) حسین نظام شاہ ثانی (میراں حسین)
          ۱۵۸۶ء تا ۱۵۸۹ء
          ۹۹۵ھ تا ۹۹۷ھ
      - (۷) برہان نظام شاہ دوم
        ۱۵۹۱ء تا ۱۵۹۵ء
        ۹۹۹ھ تا ۱۰۰۲ھ
        - (۶) اسماعیل نظام شاہ
          ۱۵۸۹ء تا ۱۵۹۱ء
          ۹۹۷ھ تا ۹۹۹ھ
        - (۸) ابراہیم نظام شاہ
          ۱۵۹۵ء تا ۱۵۹۶ء
          ۱۰۰۲ھ تا ۱۰۰۴ھ
          - (۹) بہادر نظام شاہ
            ۱۵۹۶ء تا ۱۶۰۰ء
            ۱۰۰۴ھ تا ۱۰۰۹ھ
          - احمد غاصب
            ۱۵۹۶ء
            ۱۰۰۴ھ
      - قاسم
      - شاہ منصور
      - بی بی خدیجہ — زوجہ حسن شاہ جمال الدین
      - بی بی جمال — زوجہ ابراہیم قطب شاہ والی گولکنڈہ
      - چاند بی بی — زوجہ علی عادل شاہ اول والی بیجاپور
      - آقا بی بی — زوجہ شاہ میر عبدالوہاب
    - عبدالقادر
    - شاہ علی
      - (۱۰) مرتضیٰ نظام شاہ دوم
        ۱۶۰۳ء تا ۱۶۳۰ء
        ۱۰۱۲ھ تا ۱۰۴۰ھ
        - (۱۱) حسین نظام شاہ سوم
          ۱۶۳۰ء تا ۱۶۳۳ء
          ۱۰۴۰ھ تا ۱۰۴۳ھ
    - شاہ حیدر
    - محمد باقر
    - محمد خدابندہ
    - حسن
      - حسین

عام تاریخوں میں حسین نظام شاہ اول کے صرف دو بیٹے مرتضیٰ نظام شاہ اول اور برہان نظام شاہ دوم اور تین بیٹیاں بی بی خدیجہ بی بی جمال
چاند بی بی کے نام پائے جاتے ہیں لیکن بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دو بیٹے قاسم اور شاہ منصور

اور ایک بیٹی آقا بی بی بھی تھی۔

حسین نظام شاہ ثانی کے انتقال کے بعد جو اس خاندان کا پانچواں بادشاہ ہے اسمٰعیل نظام شاہ کو تخت نشین کیا گیا تھا کیونکہ اس کا باپ برہان نظام شاہ ثانی شہنشاہ اکبر کے دربار میں تھا۔ لیکن جب اس کو اطلاع ہوئی کہ اس کا بیٹا تخت نشین ہو گیا ہے تو فوراً احمد نگر آیا اور اپنے بیٹے کو قید کر کے تخت پر قبضہ کر لیا اسی لئے اسمٰعیل نظام شاہ پر ۶ اور برہان نظام شاہ پر ۷ نشان لگایا گیا ہے کیونکہ بیٹا باپ سے پہلے تخت نشین ہوا تھا۔

احمد کو جو بہادر نظام شاہ کے مقابلے میں کھڑا کیا گیا تھا شاہی خاندان سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ یہ احمد نگر کے مشہور مجتہد شاہ طاہر کا بیٹا ہے۔ اسی لیے اس کو غاصب لکھا گیا ہے۔ یہ تقریباً چند مہینے رہا۔

احمد نگر کا قلع قمع ہونے کے تین سال کے بعد ملک عنبر نے مرتضٰی نظام شاہ ثانی کو قلعہ دولت آباد میں تخت نشین کیا تھا جو اس خاندان کا دسواں بادشاہ ہے احمد نگر ۱۶۰۰ء ۱۰۰۹ھ میں مسخر ہو گیا اور مرتضٰی کی تخت نشینی تین سال کے وقفے کے بعد ۱۶۰۳ء ۱۰۱۲ھ میں ہوئی تھی۔

---

(۱۵) خاندان عادل شاہی (بیجاپور)

۱۴۹۰ء تا ۱۶۸۶ء
۸۹۵ھ تا ۱۰۹۷ھ

اس خاندان کا بانی یوسف عادل خاں تھا۔ بعض مورخ اس کو خلیفہ عثمانی سلطان مراد کا بیٹا بتاتے ہیں۔ ان مورخوں کا بیان یہ ہے کہ اس خلیفہ کے دو بیٹے تھے ایک محمد جو اس کا جانشین ہوا دوسرا یہ یوسف تھا۔ جب محمد تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے چھوٹے بھائی یوسف کو قتل کرنا چاہا لیکن اس کی ماں نے اس کو خواجہ علاء الدین محمود نامی ایک تاجر کے ہمراہ ساوہ بھیجدیا جو شمالی ایران میں واقع ہے اور وہاں سے یہ بغداد اور قم ہوتا ہوا اسی تاجر کے ساتھ سمندر کے راستے سے بیدر آگیا لیکن یہ روایت اس وجہ سے قرین قیاس نہیں ہے کہ یوسف عادل خاں شیعہ مذہب کا پیرو تھا برخلاف اس کے سلاطین عثمانیہ سنی المذہب تھے۔ رفیع الدین شیرازی[۱] کا بیان یہ ہے کہ یہ احمد بیگ حاکم ساوہ کا پوتا ہے جس کو جہاں شاہ نے ساوہ کی حکومت سپرد کی تھی۔ احمد بیگ کے بعد اس کا بیٹا محمود بیگ اس کا جانشین ہوا جو بہت جلد لڑائیوں میں مارا گیا۔ یوسف محمود کا بیٹا تھا جو اپنے باپ کے مرنے کے بعد پریشان ہو کر بغداد چلا گیا اور ۱۴۶۳ء (۸۶۸ھ) میں دکن آگیا یہ روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ روایت خواہ کچھ ہی ہو یہ صحیح ہے کہ یوسف ساوہ کا ترک تھا اور محمد شاہ لشکری یا اس کے بڑے بھائی

---

[۱] تذکرۃ الملوک مولفہ رفیع الدین شیرازی۔

نظام شاہ بہمنی کے عہد میں بیدر آیا تھا اور خواجہ محمود گاواں کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے بہت ترقی کرتا گیا۔ یہ پہلے داروغہ اصطبل ہوا اور ایکصدی منصب سے سرفراز ہوا اور اس کے چند روز کے بعد عادل خاں خطاب سے بہرہ اندوز ہوا۔ محمود گاواں نے اس کو اپنا متبنیٰ بیٹا بنایا اور دکھنی فریق کے مقابلے میں اس کو کھڑا کیا تھا۔ ۸۷۷ھ/۱۴۷۲ء میں اس کو دولت آباد کا گورنر بنایا گیا اور اس کو مجلس رفیع خطاب دیا گیا اور محمود گاواں نے گلبرگہ اور بیجاپور کی گورنری اپنے ہاتھ میں رکھی تھی جب یوسف عادل خاں[1] نے دولت آباد کی گورنری حاصل کی تو باہر کے لوگ سب اس کے اردگرد جمع ہو گئے۔ ۸۸۳ھ/۱۴۷۸ء میں پھر صوبوں کی از سر نو تقسیم ہوئی کیونکہ اس وقت چار صوبوں کے آٹھ صوبے کر دیئے گئے تھے یوسف تو دولت آباد میں رہا لیکن محمود گاواں بیجاپور اور بلگام کا گورنر ہو گیا۔ جب ۸۸۶ھ/۱۴۸۱ء میں محمود گاواں کا قتل ہو گیا تو یوسف عادل خاں نے سلطنت سے انحراف کیا اور بلانے پر بادشاہ کے پاس نہیں آیا۔ دولت آباد کو چھوڑ کر جہاں وہ ابتک گورنر تھا بیجاپور اور بلگام پر قدم جما لیے اور ۸۹۵ھ/۱۴۹۰ء میں خود مختار ہو گیا کیونکہ یہ صوبہ محمود گاواں کی سیادت میں تھا اس کو یوسف بہت پسند کرتا تھا۔ بیجاپور اس سلطنت کا پایۂ تخت بنایا گیا جس میں مدافعت کے لئے قلعہ اور شہری ضرورتیں بہم پہنچائی گئیں سترھویں صدی میں بیجاپور ہندوستان کا بڑا شہر ہو گیا۔ یوسف عادل خاں نے بیجاپور کے ایک مشہور زمیندار مکند رائے کی بیٹی سے شادی کی تھی جس کا نام بوبوجی خاتون بتایا جاتا ہے۔ یوسف کی تمام اولاد اسی عورت کے بطن سے ہے۔ اگرچہ یوسف نے شاہ کا لقب اختیار نہیں کیا تھا لیکن اس کے جانشین اپنے کو عادل شاہ کہنے لگے اور اس طرح یہ خاندان عادل شاہی کہلانے لگا۔

---

[1] اس کو یوسف عادل خاں سوائی بھی کہتے ہیں اور اس کی تشریح یہ کیجاتی ہے کہ وہ ساوہ کا رہنے والا تھا۔ لیکن ساوہ کے رہنے والے کو ساوجی کہتے ہیں نہ کہ سوائی۔ غالباً سوائی بھی اس کا خطاب تھا اور کے راجگان بھی اسی خطاب سے موسوم کئے جاتے ہیں۔

عادل شاہی خاندان لئے جس کے نو بادشاہ گزرے ہیں ۱۶۸۶ء (۱۰۹۷ھ) تک دو سو سال حکومت
کی۔ علی عادل شاہ اول کے عہد میں جو اس خاندان کا پانچواں بادشاہ ہے عادل شاہی سلطنت
بہت وسیع ہوگئی کیونکہ جنگ تالیکوٹ کے بعد اس کو جنوبی کرناٹک کے بہت سے علاقے
مل گئے اور سترھویں صدی میں یہ جنوب میں دریائے کاویری کے نیچے اور مشرق میں ساحل
کارومنڈل تک پہنچ گئی اور ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد میں جو علی اول کا جانشین تھا اس
سلطنت نے خوب ترقی کی۔ جب تک نظام شاہی سلطنت قائم رہی اس کو مغل حملوں کا ڈر
نہیں تھا لیکن جب ۱۶۳۳ء (۱۰۴۳ھ) میں نظام شاہی سلطنت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا تو عادل شاہی
سلطنت پر بھی آنچ آگئی کیونکہ اب یہ تنہا مغل حملہ آوروں کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی چنانچہ ۱۶۳۶ء (۱۰۴۶ھ)
میں جو ابراہیم عادل شاہ ثانی کے بیٹے محمد عادل شاہ کا عہد حکومت تھا اس سلطنت نے مجبوراً
مغل شہنشاہیت کی حکمبرداری تسلیم کرلی اور ایک ماتحت ریاست ہوگئی۔ اس پر طرہ یہ کہ مرہٹوں
کے حملوں کی وجہ سے بھی اس کو بہت نقصان پہنچا ۱۶۸۶ء (۱۰۹۷ھ) میں شہنشاہ اورنگ زیب نے
ہمیشہ کے لئے اس کا خاتمہ کردیا اور اس کے آخری تاجدار سکندر عادل شاہ کو گرفتار کرلیا۔
غالباً اس سلطنت کے خاتمے کا یہ مقصد تھا کہ یہ مرہٹوں کو مدد دیتی تھی اور شہنشاہ مرہٹوں کے
استیصال کے لیے دکن آئے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب اس کو
۱۶۵۶ء (۱۰۶۷ھ) میں ہی ختم کردینا چاہتے تھے حالانکہ اس زمانے میں مرہٹوں کا کوئی سوال نہیں تھا۔

---

(۱) یوسف عادل شاہ
۱۴۹۰ء تا ۱۵۱۰ء
۸۹۵ھ تا ۹۱۶ھ

(۲) اسمٰعیل عادل شاہ
۱۵۱۰ء تا ۱۵۳۴ء
۹۱۶ھ تا ۹۴۱ھ

مریم سلطان
زوجہ
برہان نظام شاہ اول
والی احمد نگر

خدیجہ سلطان
زوجہ
علاء الدین عماد شاہ
والی برار

بی بی ستی
زوجہ
احمد شاہ ثانی بہمنی

(۳) ملو عادل شاہ
۱۵۳۴ء
۹۴۱ھ
صرف چند ماہ کے بعد
(تخت سے اتار دیا گیا)

(۴) ابراہیم عادل شاہ اول
۱۵۳۴ء تا ۱۵۵۸ء
۹۴۱ھ تا ۹۶۵ھ

عبداللہ

علی

اسمٰعیل

(۵) علی عادل شاہ اول
۱۵۵۸ء تا ۱۵۸۰ء
۹۶۵ھ تا ۹۸۸ھ

طہماسپ

(۶) ابراہیم عادل شاہ ثانی
۱۵۸۰ء تا ۱۶۲۷ء
۹۸۸ھ تا ۱۰۳۷ھ

احمد

تانی بی بی
زوجہ
علی برید
والی بیدر

ہدیہ سلطان
زوجہ
مرتضیٰ نظام شاہ اول
والی احمد نگر

درویش

سلیمان

(۷) محمد عادل شاہ
۱۶۲۷ء تا ۱۶۵۷ء
۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ

(۸) علی عادل شاہ دوم
۱۶۵۷ء تا ۱۶۷۲ء
۱۰۶۸ھ تا ۱۰۸۳ھ

سلطان بیگم
زوجہ
شاہزادہ دانیال بن اکبر

فاطمہ سلطان
زوجہ
شاہ حبیب اللہ حسینی

بادشاہ بی بی
زوجہ
شاہزادہ اعظم بن اورنگ زیب

(۹) سکندر عادل شاہ
۱۶۷۲ء تا ۱۶۸۶ء
۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۷ھ

(۱۶) خاندان بریدشاہی (بیدر)

۱۴۸۷ تا ۱۶۱۹ء

۸۹۴ھ تا ۱۰۲۸ھ

اس خاندان کا بانی قاسم برید ہے جو ذات کا ترک تھا بعض لوگ اس کو گرجی کہتے ہیں۔ غالباً یوسف عادل خاں
کی طرح یہ بھی محمد شاہ لشکری کے عہد میں بحیثیت غلام کے بیدر آیا تھا اور اپنی قابلیت سے بہت جلد ترقی کر گیا۔ اور جب
خواجہ محمود گاواں کی وجہ سے بیدر میں فرقہ واری کشمکش شروع ہو گئی تو یہ سنی مذہب کا پیرو ہونے کی وجہ سے محمود گاواں
کے فرقہ میں شریک نہیں ہوا بلکہ ملک حسن بحری کے ساتھ رہا چنانچہ محمود گاواں کے قتل کے بعد جب ملک حسن
ملک نائب ہو گیا تو اس کو ترقی کے موقعے مل گئے۔ عہدوں کی تقسیم میں اس کو کوتوال شہر کی خدمت دی گئی اور بریدالممالک
خطاب ملا۔ ملک حسن کے قتل کے بعد ۱۴۹۰ء/۸۹۵ھ میں یہ خود ملک نائب ہو گیا۔ کیونکہ دکھنی فریق کا
ساتھ دینے کی وجہ سے اہل بیدر اس کو اپنا ہمدرد اور ترک دشمن سمجھتے تھے لیکن اس اقتدار
سے فائدہ اٹھا کر اس نے آہستہ آہستہ محمود شاہ بہمنی کو بے دست و پا کر دیا اور بہمنی سلطنت کا
مالک بن بیٹھا اگرچہ ایک مرتبہ ۱۴۸۹ء/۸۹۴ھ میں دلاور خاں حبشی نے محمود شاہ کی تائید میں قاسم برید کو
سخت شکست دی اور اس کو بیدر سے باہر نکال دیا تھا لیکن چند روز کے بعد وہ پھر واپس
آیا اور بادشاہ کو پہلے سے زیادہ مجبور کر دیا۔ چنانچہ اسی تاریخ سے قاسم برید کی خود مختاری شروع
کی جاتی ہے۔

۱۵۰۴ء/۹۱۰ھ میں قاسم برید کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا امیر علی برید اس کا جانشین ہوا.
اس نے اپنے باپ سے زیادہ خود مختاری حاصل کر لی چنانچہ بہمنی بادشاہ اس کے ہاتھ میں کٹ پتلی

ہو کر رہ گئے تھے۔ ان کی بحالی و برطرفی اس کے ہاتھ میں تھی۔ جب ۱۵۱۸ء/۹۲۴ھ میں محمود شاہ کا انتقال ہو گیا تو امیر برید نے اس کے بیٹے احمد شاہ ثانی کو تخت نشین کیا۔ احمد شاہ ۱۵۲۱ء/۹۲۸ھ میں فوت ہوا تو اس کے بھائی علاء الدین سوم کو تخت نشینی کی اجازت دی گئی۔ جب علاء الدین نے ۱۵۲۲ء/۹۲۸ھ میں امیر برید کو مارنے کی سازش کی اور یہ راز فاش ہو گیا تو اس نے علاء الدین کو تخت سے اتار کر اس کو قتل کر دیا اور اس کے بھائی ولی اللہ کو تخت نشین کیا۔ ولی اللہ نے بھی ۱۵۲۵ء/۹۳۱ھ میں امیر برید کے پنجے سے باہر نکلنے کی کوشش کی تو اس کو بھی قتل کر دیا گیا اور اس کے دوسرے بھائی کلیم اللہ کو تخت پر بٹھایا گیا۔ اگرچہ اس نے امیر برید کے خلاف کوئی سازش تو نہیں کی البتہ اس نے بابر بادشاہ سے جو اسی زمانے میں ہندوستان میں اپنے قدم جما رہا تھا خفیہ طور پر ایک سفیر بھیج کر مدد کی درخواست کی اور اس کے بدلے بابر کو دولت آباد اور برار دینے کا وعدہ کیا تھا۔ بابر کی طرف سے کوئی جواب تو نہیں آیا لیکن جب یہاں یہ سازش امیر برید کو معلوم ہو گئی تو بیچارہ کلیم اللہ موت کے ڈر سے ۱۵۲۷ء/۹۳۴ھ میں بیجاپور بھاگ گیا۔ یہاں اس کی آؤ بھگت نہیں ہوئی تو احمد نگر چلا گیا اور چند روز کے بعد مر گیا۔ کلیم اللہ کے بھاگنے کے بعد امیر برید نے علانیہ اعلان خود مختاری کیا اور چونکہ دکن کے دوسرے سلاطین اس کے مخالف تھے اس لیے امیر برید نے اپنے بچاؤ کے لئے بین مملکتی سازشیں کر کے دکھنی سلاطین کو آپس میں لڑاتا تھا اسی وجہ سے اس کو دکن کی لومڑی کہتے تھے۔ بیجاپور نے اس کو کئی شکستیں دیں اور بالآخر اس کو بیجاپور کی سیادت تسلیم کرنی پڑی۔

۱۵۴۲ء/۹۴۹ھ میں ایک طویل حکومت کے بعد امیر برید کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا علی برید تخت نشین ہوا۔ اسی نے سب سے پہلے شاہ کا لقب اختیار کیا تھا۔ اس کے بعد فرشتہ کی روایت کے مطابق اس کے دو بیٹے ابراہیم برید اور قاسم برید ثانی یکے بعد دیگرے اس کے جانشین ہوئے اور قاسم برید ثانی کے بعد اس کا بیٹا علی برید ثانی اس کا جانشین ہوا اور اس کے بعد اس کا

بیٹا امیر برید ثانی تخت پر بیٹھا لیکن اس کے عہد میں یہ سلطنت بہت کمزور ہو گئی اسکی
ہمسایہ سلطنت بیجاپور نے اس کے بہت سے علاقے چھین لیے اور ادھر بیدر کے ایک امیر نے
امیر برید ثانی کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور ۱۶۰۹ء/۱۰۱۸ھ میں حکومت پر خود قابض ہو گیا اور یہ مرزا علی برید
کہلاتا ہے لیکن ابراہیم عادل شاہ ثانی والی بیجاپور نے ۱۶۱۹ء/۱۰۲۸ھ میں اس خاندان کا خاتمہ کر کے
بیدر کو بیجاپور میں ضم کر لیا۔ غاصب سلطنت مرزا علی برید کو شامل کر کے بریدی خاندان کے
آٹھ بادشاہ ہوتے ہیں اس خاندان کو وہ عزت حاصل نہیں تھی جو دکن کے دوسرے خاندانوں کو تھی
ان کی تاریخ کا خلاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے بچاؤ کے لیے دکھنی سلاطین دکن کو
آپس میں لڑا کر خود تماشا دیکھا اور بہمنیوں کے تمدن کو بھی بہت نقصان پہنچایا۔

سلاطین برید کے سلسلہ نسب میں یہاں صرف مورخ فرشتہ کی تتبع کی گئی ہے اور
یہ بہت کچھ تحقیق طلب ہے اور مرۃ الصفا اور دوسری تاریخیں اس سے اختلاف کرتی ہیں۔
سروولزی ہیگ نے ایک دوسرا شجرہ پیش کیا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کا کیا ماخذ ہے مشکل
یہ ہے کہ سلاطین برید کی کوئی ہمعصر تاریخ ہے نہ ان کے دور کے تمام سکے دستیاب ہوتے ہیں
اگرچہ غلام صمدانی خاں گوہر نے ایک تاریخ برید کا حوالہ دیا ہے لیکن وہ ناپید ہے۔ اسی وجہ سے
اس سلسلہ نسب کی تحقیق بہت مشکل ہو جاتی ہے۔

---

(۱) قاسم برید

۱۴۸۷ء تا ۱۵۰۴ء

۸۹۴ھ تا ۹۱۰ھ

(۲) امیر برید اول

۱۵۰۴ء تا ۱۵۴۲ء

۹۱۰ھ تا ۹۴۹ھ

خانجہاں

(۳) علی برید شاہ اول

۱۵۴۲ء تا ۱۵۷۹ء

۹۴۹ھ تا ۹۸۷ھ

(۴) ابراہیم برید شاہ

۱۵۷۹ء تا ۱۵۸۶ء

۹۸۷ھ تا ۹۹۴ھ

(۵) قاسم برید شاہ اول

۱۵۸۶ء تا ۱۵۸۹ء

۹۹۴ھ تا ۹۹۸ھ

(۶) علی برید شاہ دوم

۱۵۸۹ء تا ۱۶۱۰ء

۹۹۸ھ تا ۱۰۱۰ھ

(۷) امیر برید شاہ دوم

۱۶۰۱ء تا ۱۶۰۹ء

۱۰۱۰ھ تا ۱۰۱۸ھ

(۸) مرزا علی برید (غاصب)

۱۶۰۹ء تا ۱۶۲۰ء

۱۰۱۸ھ تا ۱۰۲۹ھ
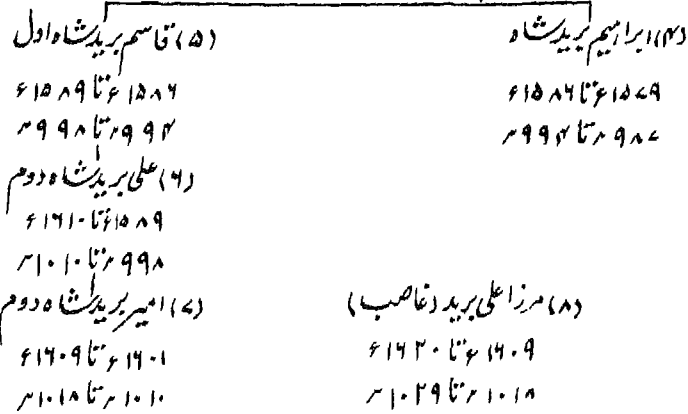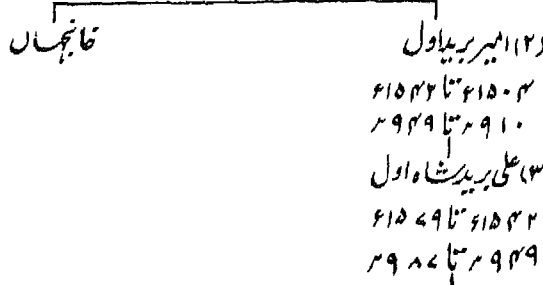
یہ شجرہ مورخ فرشتہ کی روایت کے مطابق بنایا گیا ہے۔ گلشن ابراہیمی کی روایت کے مطابق مرزا علی برید غاصب نے علی برید شاہ دوم کے عہد میں ہی بغاوت کی اور حکومت پر قبضہ کرلیا تھا امیر برید شاہ دوم کے نام سے کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔ سروولزی ہیگ نے قاسم برید دوم کو ابراہیم برید کا بیٹا بتایا ہے۔ علی برید شاہ ثانی اور امیر برید شاہ ثانی کو ابراہیم برید کے بھائی خانجہاں کے بیٹے لکھا ہے اور علی برید شاہ دوم کو مرزا علی برید ظاہر کیا ہے اور معلوم نہیں کہ ان کے ماخذ کیا ہیں اور اسکی صحت کی کیا دلیل ہے۔ ان کا شجرہ بھی ذیل میں دیا جاتا ہے۔

شجرۂ بریدشاہی

مرتبہ سرِ وولزی ہیگ

(۱) امیر قاسم برید
۱۴۸۷ء
۸۹۴ھ

- خانجہاں
- (۲) امیر برید
  ۱۵۰۴ء
  ۹۱۰ھ
  - (۳) علی برید شاہ
    ۱۵۴۲ء
    ۹۴۹ھ
    - خانجہاں
      - (۷) مرزا علی برید شاہ
        ۱۶۰۱ء
        ۱۰۱۰ھ
        - (۸) علی برید شاہ دوم
          ۱۶۰۹ءتا ۱۶۱۹ء
          ۱۰۱۸ھتا ۱۰۲۸ھ
      - (۶) امیر برید شاہ
        ۱۵۸۹ء
        ۹۹۸ھ
    - (۴) ابراہیم برید شاہ
      ۱۵۷۹ء
      ۹۸۷ھ
      - (۵) قاسم برید شاہ دوم
        ۱۵۸۶ء
        ۹۹۴ھ
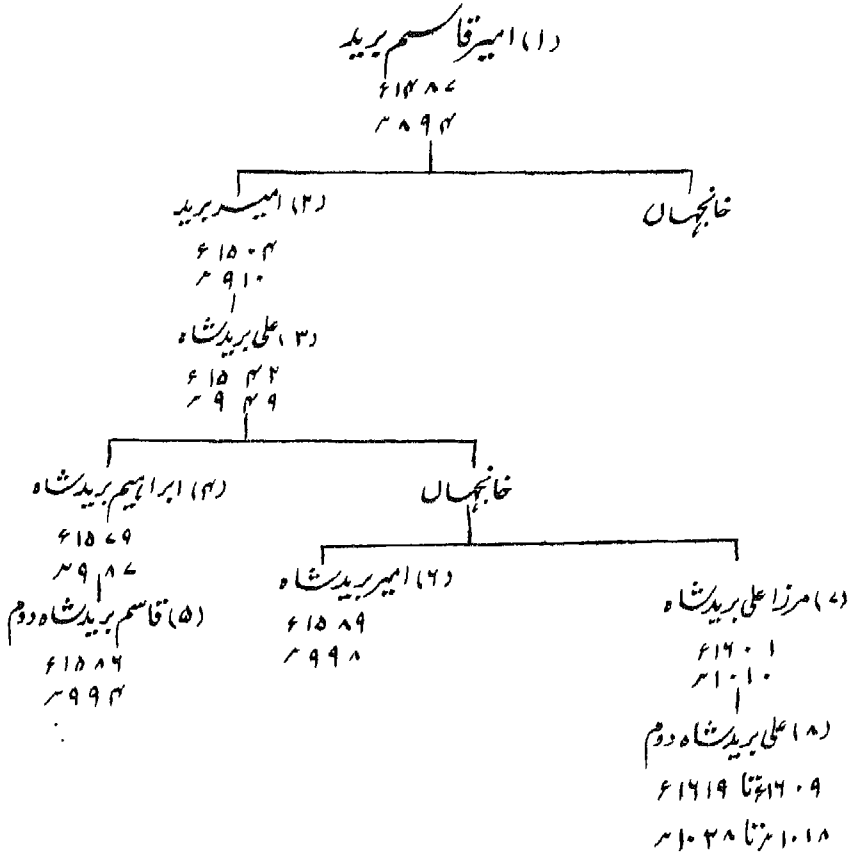
(۱۷) خاندان قطب شاہی (گولکنڈہ)

۱۵۱۸ء تا ۱۶۸۷ء

۹۲۴ھ تا ۱۰۹۸ھ

اس خاندان کا بانی سلطان قلی قطب شاہ ہے جو ترکستان کے ایک بڑے قبیلے قراقونیلو کا رکن تھا یہ وہ قبیلہ ہے جس میں قرا یوسف سکندر ثانی اور جہاں شاہ جیسی زبردست شخصیتیں پیدا ہوئیں اور جس نے ترکستان کے ایک بڑے حصے پر حکومت کی تھی۔ سلطان قلی کے باپ اور دادا پیر قلی اور اویس قلی ہمدان کے رئیس تھے لیکن پندرھویں صدی میں ان لوگوں کو ایک دوسرے قبیلے سے جس کا نام آق قونیلو تھا ایسا نقصان پہنچا کہ ان کو ہمدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ چنانچہ سلطان قلی اور اس کا چچا اللہ قلی دونوں ۱۴۸۶ء (۸۹۲ھ) میں بیدر آ گئے اور سلطان محمد شاہ بہمنی کے دربار میں باریاب ہوئے۔ اللہ قلی تو ہمدان واپس ہو گیا لیکن سلطان قلی نے سلطنت بہمنی کی ملازمت اختیار کر لی۔ اس وقت بیدر میں طبقہ واری کشمکش جاری تھی جس کی وجہ سے سلطان قلی کو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا تاہم اس نے کسی فرقہ وارانہ رقابت میں حصہ نہیں لیا بلکہ اہل ملک اور شاہی خاندان کے ساتھ پوری وفاداری کی اور محض اپنی ذاتی قابلیت سے ترقی کی۔ ۱۴۹۳ء (۸۹۹ھ) میں اس کو قطب الملک کا خطاب ملا اور ۱۴۹۶ء (۹۰۱ھ) میں تلنگانے کا صوبہ دار بنایا گیا۔ محمود شاہ بہمنی کے انتقال کے بعد جو ۱۵۱۸ء (۹۲۴ھ) میں ہوا تھا اس نے خود مختاری کا اعلان نہیں کیا حالانکہ شمال کے صوبہ دار ملک احمد، یوسف عادل خاں، فتح اللہ ۱۴۹۰ء (۸۹۶ھ) میں خود مختار ہو چکے تھے۔

چونکہ اس کا خطاب قطب الملک تھا اس لئے جب یہ ۱۵۱۸ء/۹۲۴ھ میں محمود شاہ کی وفات کے بعد خود مختار ہوا تو اسے قطب شاہ کہنے لگے گولکنڈہ اس خاندان کا پائے تخت تھا۔

سلطان قلی قطب شاہ نے اپنے طویل عہد حکومت میں اس سلطنت کی بنیاد رکھی اس کے جانشین جمشید قطب شاہ کے عہد میں جو اپنے باپ اور بھائیوں کو قتل کر کے تخت نشین ہوا تھا کوئی اضافہ نہیں ہوا اس کا چھوٹا بھائی ابراہیم قطب شاہ اپنے بھائی سے ڈر کر بیجا نگر میں جلاوطن ہو گیا تھا۔ یہ جمشید کے انتقال کے بعد ۱۵۵۰ء/۹۵۷ھ میں واپس آیا اور تخت پر قابض ہوا۔ اس عہد میں یہ سلطنت بہت مستحکم ہو گئی۔ اور جب ۱۵۶۵ء/۹۷۲ھ میں سلطنت بیجانگر کا خاتمہ ہو گیا تو قطب شاہی سلطنت کو جنوب میں پھیلنے کا اچھا موقع ملا ابراہیم قطب شاہ کے جانشین محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں جو ۱۵۸۰ء/۹۸۸ھ میں تخت نشین ہوا تھا اس سلطنت میں غیر معمولی تمدنی ترقیاں ہوئیں جو سلطان محمد قطب شاہ کے عہد میں جو محمد قلی کا بھتیجا اور داماد تھا پایہ تکمیل کو پہنچیں اس طرح یہ سلطنت بہت اقبالمند ہو گئی۔ لیکن نظام شاہی سلطنت کے جانے سے اس کو بہت نقصان پہنچا کیونکہ قطب شاہی اور عادل شاہی سلطنتوں کی بقا نظام شاہی سلطنت کے ساتھ وابستہ تھی۔ اس لئے جب ۱۶۳۳ء/۱۰۴۳ھ میں آخر الذکر کا خاتمہ ہو گیا تو عادل شاہوں کے ساتھ قطب شاہوں پر آنچ آ گئی چنانچہ ۱۶۳۶ء/۱۰۴۶ھ میں جبکہ سلطان محمد قطب شاہ کا کمسن بیٹا عبداللہ قطب شاہ تخت نشین تھا اس سلطنت کو مجبوراً مغلوں کا حکمبردار بننا پڑا عبداللہ قطب شاہ کے انتقال کے بعد ۱۶۷۲ء/۱۰۸۲ھ میں اس کا چھوٹا داماد ابوالحسن قطب شاہ تخت نشین ہوا کیونکہ مرحوم کا کوئی بیٹا زندہ نہیں تھا۔ اگرچہ اسکا بڑا داماد سید احمد تخت کا دعویدار تھا لیکن ملک نے ابوالحسن کی تائید کی جو حکومت کا بہت اہل تھا۔ اس نے مغلوں کے سیلاب کے مقابلے میں جو شہنشاہ اورنگ زیب کے ساتھ آیا تھا اپنی سلطنت کو بچانے کی پوری کوشش کی لیکن یہ بار آور نہیں ہوئی بالآخر ۱۶۸۷ء/۱۰۹۸ھ میں اورنگ زیب کے

ہاتھوں سے اس خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔ ابوالحسن کو قلعہ دولت آباد میں قید کر دیا گیا اس خاندان کے آٹھ بادشاہ گزرے ہیں۔

قرا خان
اعز خان
تورہ بیگ
قرا تورمش
قرا بیرام
قرا منصور
قرا تورسن
قرا محمد
قرا یوسف
امیرزادہ سکندر
امیرزادہ الوند
پیر علی
- اللہ قلی
- اویس قلی
  - سلطان قلی قطب الملک (قطب شاہ)

(۱) سلطان قلی قطب الملک (قطب شاہ)
۱۵۱۸ء تا ۱۵۴۳ء
۹۲۴ھ تا ۹۵۰ھ

- حیدر قلی
- قطب الدین
- (۲) جمشید قطب شاہ ۱۵۴۳ء تا ۱۵۵۰ء، ۹۵۰ھ تا ۹۵۷ھ
  - (۳) سبحان قلی ۱۵۵۰ء، ۹۵۷ھ
- عبدالکریم
- دولت قلی
- (۴) ابراہیم قطب شاہ ۱۵۵۰ء تا ۱۵۸۰ء، ۹۵۷ھ تا ۹۸۸ھ
  - عبدالقادر معروف بہ شاہ صاحب
  - حسین قلی
  - (۵) محمد قلی قطب شاہ ۱۵۸۰ء تا ۱۶۱۲ء، ۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ
    - حیات بخشی بیگم زوجہ سلطان محمد قطب شاہ
  - مرزا عبدالفتاح
  - مرزا خدابندہ
  - مرزا محمد امین
    - (۶) سلطان محمد قطب شاہ ۱۶۱۲ء تا ۱۶۲۶ء، ۱۰۲۰ھ تا ۱۰۳۵ھ
      - (۷) عبداللہ قطب شاہ ۱۶۲۶ء تا ۱۶۷۲ء، ۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ
      - ابراہیم مرزا
      - علی مرزا
      - کمال مرزا
      - خدیجہ سلطانہ زوجہ محمد عادل شاہ (بیجاپور)
      - (حاجی بڑے صاحب)
    - دختر زوجہ شاہ محمد عرب شاہ
      - شاہ خواندکار
  - چاند سلطانہ زوجہ ابراہیم عادل شاہ ثانی والی (بیجاپور)

(بقیہ شجرہ بر صفحہ آئندہ)
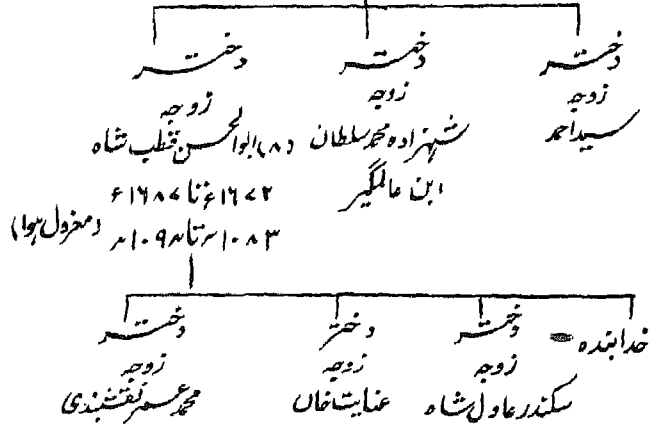
سبحان قلی جو بہت کمسن تھا چند مہینوں کے بعد تخت سے اتار دیا گیا۔
کیونکہ ابراہیم قطب شاہ بیجانگر کی جلاوطنی سے واپس آکر تخت پر قابض ہوگیا۔

خاندان بھونسلہ

۱۶۷۴ء تا ۱۷۱۴ء

۱۰۸۵ھ تا ۱۱۲۷ھ
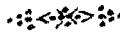
اس خاندان کا بانی سیواجی بھونسلہ ہے جس نے بہ حیثیت حکمران کے مہاراشٹر کے ایک بڑے حصے پر حکومت کی اور مرہٹوں کی ایک بڑی طاقت پیدا کردی۔ اس کے باپ دادا نظام شاہی سلطنت کے زمیندار تھے۔ اس کا پردادا باباجی تھا جو موجودہ ایلورا کے قریب بعض مواضع کا پٹیل تھا۔ باباجی کے بیٹے مالوجی نے نظام شاہی سلطنت میں بڑا رسوخ پیدا کرلیا یہاں تک کہ اسکو نظام شاہی حکومت کی جانب سے پونا اور سوپہ کی دو جاگریں دی گئی تھیں لیکن ایک سازش کی بنا پر مرتضی نظام شاہ ثانی نے اس کو قتل کردیا۔ اس کا بیٹا شاہ جی ہے جس نے اپنے باپ کے قتل کے بعد شاہجہاں کی سرپرستی اختیار کرلی جو اس زمانے میں برہانپور میں تھے لیکن چند روز کے بعد جب شاہجہاں نے نظام شاہی سلطنت کا خاتمہ کردیا اور جو جاگیریں شاہجہاں نے اس کو دی تھیں واپس لے لیں تو ۱۶۳۳ء (۱۰۴۳ھ) میں یہ ناراض ہوکر دکن واپس آگیا اور مغلوں کے خلاف نظام شاہی خاندان کی حمایت شروع کردی اور پرینڈہ کو اپنا مستقر بنالیا لیکن بالآخر ۱۶۳۵ء (۱۰۴۵ھ) میں ہتیار ڈالدئے اور بیجاپور میں ملازم ہوگیا۔ اس کے کئی بیٹے تھے سیواجی اس کا دوسرا بیٹا ہے جو ۱۶۲۷ء (۱۰۳۷ھ) میں جنیر میں پیدا ہوا اور یہیں اس کی تعلیم و تربیت ہوئی سن شعور کو پہنچنے کے بعد اس نے اپنے ارد گرد نظام شاہی سلطنت کے بے روزگار سپاہیوں کو جمع کرکے چپکے چپکے ایک طاقت پیدا کرلی اور عادل شاہی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر

۱۶۴۶ء/۱۰۵۶ھ سے عادل شاہی علاقوں پر حملے شروع کر دیئے اور باوجود مزاحمت کے اکثر فتح کر لیے حالانکہ اس کا باپ شاہ جی بیجاپور کا ملازم تھا۔ جب بیجاپور کی کمزوری سے اس کے حوصلے بڑھ گئے تو اس نے مغل علاقوں پر بھی یورشیں شروع کر دیں اگرچہ ۱۶۶۵ء/۱۰۷۶ھ میں جے سنگھ کے مقابلے میں ہتھیار ڈالدیے اور مغلوں کی اطاعت اختیار کر لی لیکن ۱۶۶۷ء/۱۰۷۸ھ میں دہلی سے بھاگ آیا جہاں وہ شہنشاہ کے دربار میں سلام کے لیے گیا تھا اور پھر مغل علاقوں پر تاخت وتاراج شروع کر دی۔ ۱۶۷۴ء/۱۰۸۵ھ میں اس کی طاقت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اس نے راجہ کا لقب اختیار کر لیا اور اپنی ایک باضابطہ حکومت ترتیب دی رائے گڈھ اس کا پایۂ تخت تھا۔

۱۶۸۰ء/۱۰۹۱ھ میں سیواجی کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا سنبھاجی اس کا جانشین ہوا۔ لیکن اس نے دکن میں اس قدر تاخت وتاراج شروع کر دی تھی کہ اہل دکن سخت پریشان ہو گئے۔ شہنشاہ اورنگ زیب نے ۱۶۸۹ء/۱۱۰۰ھ میں اس کو گرفتار کر کے قتل کر دیا اس کے بعد مرہٹوں نے اس کے بھائی رام راج کو اس کا جانشین بنایا تھا لیکن مغل فوجوں نے اس کو بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا آخر یہ بھی ۱۷۰۰ء/۱۱۱۲ھ میں مر گیا۔ اس کا بڑا بیٹا سیواجی ثانی اپنے باپ کا جانشین بنایا گیا تھا اور یہ اورنگ زیب کے انتقال تک برائے نام مرہٹوں کا راجہ رہا۔ اور سنبھاجی کا بیٹا ساہوجی جو اپنے باپ کے قتل ہونے کے بعد اورنگ زیب کے کیمپ میں گرفتار تھا لیکن جب ۱۷۰۷ء/۱۱۱۸ھ میں شہنشاہ کا انتقال ہو گیا تو شاہزادۂ اعظم نے ساہوجی کو قید سے رہا کر دیا جس کو مرہٹوں نے اپنا راجہ تسلیم کر لیا اس نے سیواجی ثانی کو گدی سے علیحدہ کر کے خود سلطنت پر قبضہ کر لیا اگرچہ یہ ۱۶۴۹ء/۱۰۵۹ھ تک راجہ تھا لیکن اختیارات سلطنت اس کے برہمن وزیروں کے ہاتھ میں آگئے جو پیشوا کہلاتے ہیں۔ ان پیشواؤں نے بالآخر اس خاندان بھونسلہ کو ختم کر کے اپنے خاندان کی بنیاد ڈالی۔ البتہ رام راج کے دوسرے بیٹے سیواجی ثانی نے ۱۷۳۱ء/۱۱۴۴ھ میں کولہاپور میں اپنے خاندان کی بنیاد ڈالی جو اب تک موجود ہے اور راجگان کولہاپور کہلاتے ہیں۔

(۱) باباجی بھونسلہ
(۲) مالوجی بھونسلہ
وبیناجی
(۳) شاہ جی بھونسلہ
ولادت ۱۵۹۴ء
وفات ۱۶۶۴ء
سنبھاجی
(لڑائی میں مارا گیا)
(۴) سیواجی اول
۱۶۷۴ء میں مہاراجہ بنا۔ ۱۶۸۰ء میں فوت ہوا
ونکاجی یا ایکوجی
۱۶۷۴ء میں تنجور پر قبضہ کرلیا
سنتاجی
(۵) سنبھاجی اول
۱۶۸۰ء تا ۱۶۸۹ء
(۶) رام راج یا راجہ رام
۱۶۸۹ء تا ۱۷۰۰ء
(۸) ساہوجی یا ساہو اول
۱۷۰۷ء تا ۱۷۴۹ء
(۷) سیواجی دوم
۱۷۰۰ء تا ۱۷۰۷ء
ساہوجی نے اس کو گدی سے علٰحدہ کردیا
یہ ۱۷۱۲ء میں فوت ہوا۔
سنبھاجی دوم
اس نے کولھاپور پر حملہ کرکے
ایک علٰحدہ راجدھانی بنائی۔
۱۷۱۲ء
راجگان کولھاپور

حصۂ سوم

دورِ حالیہ

(۱۹) خاندان پیشوا

۱۷۱۴ء تا ۱۸۱۸ء

۱۱۲۶ھ تا ۱۲۳۶ھ
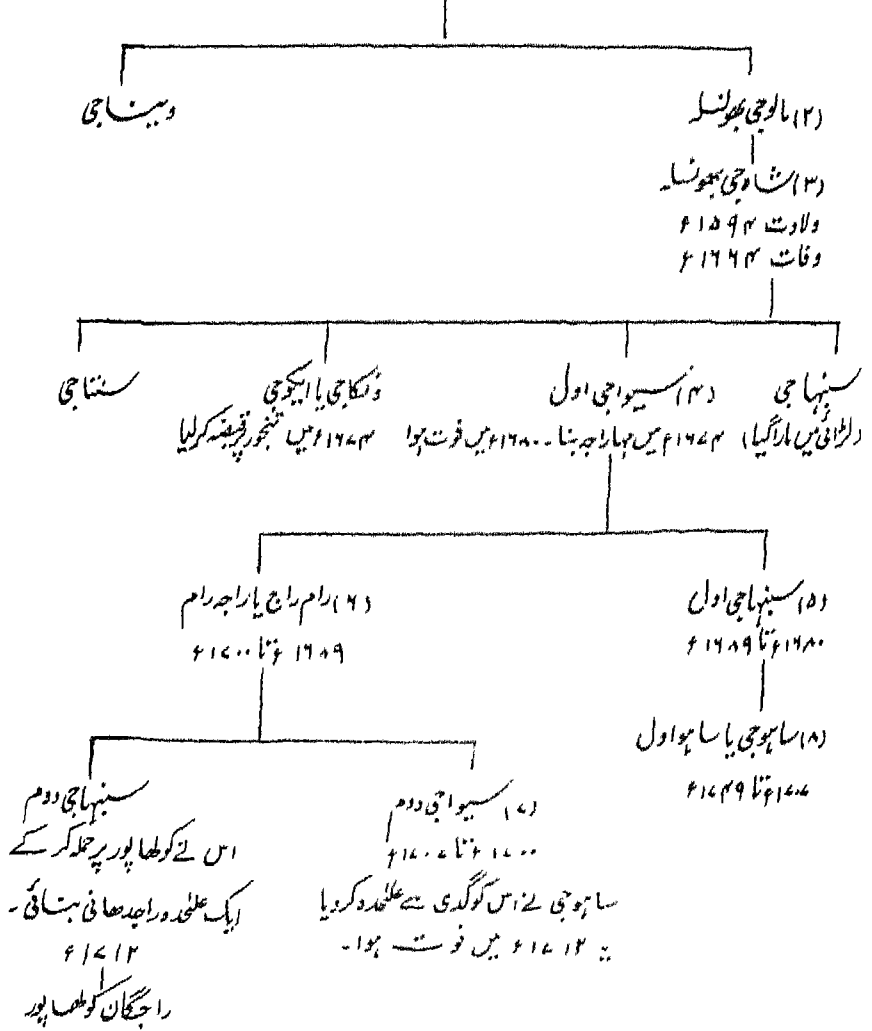
یہ مرہٹوں کا خاندان ہے جس کے اراکین نے اٹھارویں صدی میں وزارت سے بادشاہی حاصل کی۔ اس خاندان کا بانی بالاجی وشوناتھ ہے جو ۱۷۱۴ء (۱۱۲۶ھ) میں ساہوجی کا پیشوا یا وزیر ہوا تھا۔ یہ اور اس کا بیٹا باجی راؤ ایسے مقتدر ہوئے کہ ساہوجی بے دست و پا ہو گیا۔ اور مہاراشٹر کی حکومت بہو نسلہ خاندان سے چھن کر پیشواؤں کے ہاتھ میں آ گئی باجی راؤ کے عہد میں جو دوسرا پیشوا ہے مرہٹہ سلطنت بہت طاقتور اور منظم ہو گئی۔ اور تیسرے پیشوا بالاجی راؤ کے عہد میں شمال تک پہنچ گئی۔ چنانچہ ۱۷۶۰ء (۱۱۷۴ھ) میں مرہٹے دہلی پر بھی قابض ہو گئے اگر ۱۷۶۱ء (۱۱۷۵ھ) والی جنگ پانی پت نہ ہوتی جس میں احمد شاہ درانی نے مرہٹوں کو شکست فاش دی تھی تو مرہٹے مقتدر رہتے۔ بالاجی راؤ کا بیٹا وشواس راؤ اسی جنگ میں مارا گیا بالاجی راؤ بھی اسی جنگ کے صدمے سے مر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے دوسرے بیٹے مادھو راؤ کو پیشوا بنایا گیا۔ مادھو راؤ نے پرانی طاقت باقی رکھی۔ لیکن جب ۱۷۷۲ء (۱۱۸۶ھ) میں اس کا بھی انتقال ہو گیا تو مرہٹوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ مادھو راؤ کا بھائی نارائن راؤ بہت جلد مر گیا اور اس کی جگہ رگھناتھ راؤ یا رگھوبا جو تیسرے پیشوا کا بھائی تھا انگریز کمپنی کی تائید سے پیشوا ہو گیا۔ لیکن یہ بھی بہت جلد مر گیا۔ اس کے بعد نارائن راؤ کے بیٹے مادھو راؤ ثانی کو پیشوا بنایا گیا لیکن اس کے وزیر نانا فرنویس کے مقابلے میں اس کی ایک نہیں چلتی تھی چنانچہ نانا فرنویس کے دستبرد سے تنگ آ کر مادھو راؤ نے

۱۷۹۵ء (۱۲۱۰ھ) میں خودکشی کر لی۔ نانا فرنویس نے رگھوبا کے بیٹے باجی راؤ ثانی کو اس شرط پر پیشوا بنایا کہ
وہ اس کے دست نگر رہے۔ لیکن دولت راؤ سندھیا اور دوسرے مرہٹہ رئیسوں نے سخت مخالفت
کی جس سے مرہٹوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ ۱۸۰۰ء (۱۲۱۵ھ) میں نانا فرنویس کا انتقال ہوگیا اور ۱۸۰۱ء (۱۲۱۶ھ) میں
جسونت راؤ ہولکر نے اپنے بھائی کے انتقام میں پیشوا کو سخت شکست دی اور اس کو پونا سے بھاگنا
پڑا اور اپنی پیشوائی حاصل کرنے کے لئے انگریزوں سے مدد مانگی۔ اس زمانے میں لارڈ ولزلی ہندستان
میں گورنر جنرل تھے اور ہندوستانی رئیسوں کو عہد معاونت میں لینا چاہتے تھے چنانچہ معاہدہ بسین
کے ذریعے باجی راؤ ثانی انگریزوں کی حمایت میں آگیا اس طرح ۱۸۰۲ء (۱۲۱۷ھ) میں پیشوا کی خودمختاری ختم ہوگئی۔
لیکن یہ معاہدہ پائدار ثابت نہیں ہوا بلکہ ۱۸۰۳ء (۱۲۱۸ھ) میں پیشوا نے یہ معاہدہ توڑ دیا اس کے
ساتھ دوسرے مرہٹہ رئیس بھی شامل ہو گئے۔ چنانچہ ولزلی نے فوج کشی کر کے پیشوا کو سخت شکستیں دیں
اور ایک نیا معاہدہ ہوا جس کی رو سے پیشوا کو پھر انگریز کمپنی کی سیادت تسلیم کرنی پڑی ۱۸۱۷ء (۱۲۳۳ھ) میں
پھر پیشوا نے انگریز کمپنی کی مخالفت کی تو لارڈ ہیسٹنگز کے عہد میں اس کو سخت شکستیں ہوئیں اور پونا
سے بھاگنا پڑا چنانچہ ۱۸۱۹ء (۱۲۳۴ھ) میں پیشوائی کا خاتمہ کر دیا گیا۔ باجی راؤ کو کانپور میں نظربند کر کے
اس کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ اس کا بیٹا دھونڈو پنت نامی تھا جس نے ۱۸۵۷ء (۱۲۷۴ھ) کے غدر میں
حصہ لیا تھا۔

---

(۱) بالاجی وشوناتھ
۱۷۱۴ء تا ۱۷۲۰ء
۱۱۲۷ھ تا ۱۱۳۴ھ

(۲) باجی راؤ اول
۱۷۲۰ء تا ۱۷۴۰ء
۱۱۳۳ھ تا ۱۱۵۳ھ

(۳) بالاجی باجی راؤ
۱۷۴۰ء تا ۱۷۶۱ء
۱۱۵۳ھ تا ۱۱۷۵ھ

(۷) رگھوناتھ راؤ یا رگھوبا
۱۷۷۳ء
۱۱۸۷ھ

(۴) وشواس راؤ یا سداسیو بھاؤ (لڑائی میں مارا گیا)

(۵) مادھو راؤ اول
۱۷۶۱ء تا ۱۷۷۲ء
۱۱۷۵ھ تا ۱۱۸۶ھ

(۶) نراین راؤ
۱۷۷۳ء میں مارا گیا
۱۱۹۷ھ

(۹) باجی راؤ دوم
۱۷۹۵ء تا ۱۸۱۸ء
۱۲۱۰ھ تا ۱۲۳۴ھ

امرت راؤ

چمنا جی

(۸) مادھو راؤ دوم
۱۷۷۴ء تا ۱۷۹۵ء
۱۱۸۸ھ تا ۱۲۱۰ھ

(۱۰) دھوندو پنت یا نانا صاحب
۱۸۵۷ء / ۱۲۷۴ھ میں انگریزوں کے خلاف جنگ کی۔

(۲۰) خاندان آصفیہ

آغاز ۱۷۲۴ء / ۱۱۳۵ھ

اس خاندان کے بانی حضرت مغفرت مآب آصفجاہ نظام الملک ہیں۔ حضرت مغفرت مآب تو ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے لیکن ان کے باپ دادا جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی اولاد سے ہیں ملک ترکستان کے رہنے والے تھے اور اپنے علم و فضل و خاندانی وجاہت کی وجہ سے بہت ممتاز تھے۔ دادا کا نام قلیچ خاں خواجہ عابد اور باپ کا نام غازی الدین خان فیروز جنگ تھا۔ یہ شاہجہاں کے آخری عہد میں ترکستان سے ہندوستان آئے اور مغل سلطنت کے ملازم ہوئے تھے اورنگ زیب کے عہد میں انھوں نے بڑی خدمتیں انجام دیں۔ اول الذکر گولکنڈہ کے محاصرے میں فوت ہوئے اور حمایت ساگر کے قریب ان کا مزار ہے۔ ثانی الذکر نے بھی گولکنڈہ اور بیجاپور کے محاصرے میں بہت حصہ لیا تھا اور اس کے بعد دکن کے مختلف صوبوں کی گورنری کی اور دہلی میں دفن ہوئے۔ حضرت آصفجاہ ۱۶۷۱ء / ۱۰۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ دادا کی جلیل القدر خدمات کا لحاظ کر کے شہنشاہ نے ان کو چنقلیچ خاں خطاب اور مختلف عہدے دیئے۔ چنانچہ شہنشاہ کے انتقال کے وقت یہ بیجاپور کے صوبیدار تھے۔ لیکن جب شہنشاہ کے انتقال کے بعد جو ۱۷۰۷ء / ۱۱۱۸ھ میں ہوا تھا مغل سلطنت کا شیرازہ بکھرا تو مغفرت مآب نے دکن کی صوبیداری حاصل کر لی اور ۱۷۲۴ء / ۱۱۳۵ھ میں یہاں خود مختار ہو گئے ورنہ یہ بھی مرہٹوں کی تاخت و تاراج کا نشانہ بن جاتا اس طرح سلطنت آصفیہ کی

مبارک اور خوش آیند تاسیس ہوئی جو مغل سلطنت کے ساتھ عین وفاداری تھی۔ حضرت مغفرت مآب نے تمام عمر ایک طرف مغل سلطنت کی مدد کی تو دوسری طرف مرہٹوں کی مزاحمتوں کا مقابلہ کرکے دکن کو بچالیا۔

۱۷۴۸ء (۱۱۶۱ھ) میں مغفرت مآب کا انتقال ہوا۔ ان کے کئی بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے غازی الدین خاں ثانی ایں جو دہلی میں تھے۔ دوسرے بیٹے ناصر جنگ اپنے باپ کے جانشین ہوئے۔ لیکن فرانسیسیوں کی سازش سے دو سال کے بعد ہی ۱۷۵۰ء (۱۱۶۴ھ) میں مارے گئے۔ فرانسیسیوں نے ان کی جگہ ان کے بھانجے کو جن کا نام مظفر جنگ تھا دکن کا نواب بنایا تھا لیکن یہ بھی چند روز میں مارا گیا۔ اس کے بعد ناصر جنگ کے بھائی صلابت جنگ کو نظام بنایا گیا جس نے گیارہ سال دکن پر حکومت کی لیکن یہ حکومت کے اہل نہ تھے۔ ان سے سلطنت کو بہت نقصان پہنچا چنانچہ ملک میں فرانسیسی دخیل ہوگئے اور باہر سے مرہٹوں نے حملہ کرکے اس سلطنت کے بہت حصے دبا لیے۔ بالآخر ۱۷۶۱ء (۱۱۷۵ھ) میں حضرت غفران مآب نواب نظام علی خاں نے ان کو نظر بند کرکے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ غفران مآب نے نہ صرف پچھلے نقصانات کی تلافی کردی بلکہ مرہٹوں اور بیرونی اقوام کا مقابلہ کرکے سلطنت آصفیہ کو بہت مضبوط کردیا جو خدا کے فضل سے اب تک موجود ہے۔ غفران مآب بہت زمانہ شناس اور باتدبیر حکمران تھے ان کے انتقال کے بعد ۱۸۰۳ء (۱۲۱۸ھ) میں حضرت مغفرت منزل سکندر جاہ بہادر فائز سلطنت ہوئے جو پاکیزہ اخلاق کے حامل تھے۔ مغفرت منزل کی غیرمعمولی شرافت سے بیوفا وزرا نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور سلطنت کو نقصان پہنچایا۔ ۱۸۲۹ء (۱۲۴۴ھ) میں غفران منزل نواب ناصر الدولہ بہادر تخت نشین ہوئے جو بڑے مدبر تھے۔ غفران منزل نے وزارت کے لیے مختار الملک جیسے لائق لوگوں کو منتخب کیا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس عہد میں بہترین ترقیاں ہوئیں جو مغفرت مکان افضل الدولہ بہادر کے عہد میں بھی جاری رہیں حضرت مغفرت مکان افضل الدولہ بہادر اپنے والد کے انتقال کے بعد ۱۸۵۷ء (۱۲۷۳ھ) میں بادشاہ ہوئے

لیکن ۱۲۸۵ھ ۱۸۶۹ء میں یہ بے وقت فوت ہو گئے اور ان کے جانشین حضرت غفران مکان نواب میر محبوب علیخاں
بہت کمسن تھے جن کی عمر دو سال سے کچھ زیادہ نہ تھی تاہم ملک میں مختار الملک نواب رشید الدینخاں اور
سر آسماں جاہ بہادر جیسی بڑی شخصیتیں موجود تھیں جنھوں نے سلطنت کی خاطر خواہ نگہداشت
کی اور اس میں کوئی رخنہ پڑھنے نہیں دیا۔ ۱۳۲۹ھ ۱۹۱۱ء میں حضرت غفران مکان کا انتقال ہوا تو موجودہ
اعلحضرت خلد اللہ ملکہٗ سریر آرائے سلطنت ہوئے یہ حیدرآباد کا زرین عہد ہے
جس میں ملک کو اس قدر غیر معمولی ترقیاں حاصل ہوئی ہیں کہ ان کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے
خدا کرے کہ یہ عہد ہمیشہ قایم رہے ۔

قلیچ خاں (خواجہ عابد)

غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ (شہاب الدین)

(۱) مغفرت مآب نظام الملک آصفجاہ (قمر الدین خاں)
۱۷۲۴ء تا ۱۷۴۸ء
۱۱۳۵ھ تا ۱۱۶۱ھ

- غازی الدین خاں فیروز جنگ ثانی (محمد پناہ)
- (۲) نظام الدولہ ناصر جنگ شہید (میر احمد خاں) ۱۷۴۸ء تا ۱۷۵۰ء — ۱۱۶۱ھ تا ۱۱۶۳ھ
- (۳) امیر الممالک صلابت جنگ (سید محمد خاں) ۱۷۵۰ء تا ۱۷۶۱ء — ۱۱۶۴ھ تا ۱۱۷۵ھ
- (۴) غفران مآب میر نظام علیخاں آصفجاہ ثانی ۱۷۶۱ء تا ۱۸۰۳ء — ۱۱۷۵ھ تا ۱۲۱۸ھ
- شجاع الدولہ شجاع الملک بسالت جنگ (محمد شریف خاں)
- ناصر الملک ہمایوں جاہ (میر مغل علی خاں)
- خیر النساء بیگم زوجہ رستم جنگ متوسل خاں
  - ع۱ مظفر جنگ (ہدایت محی الدین خاں)
  - مظفر جنگ سعید الدین خاں
- پادشاہ بیگم
- مکرمہ بانو بیگم
- محسنہ بیگم
- خجستہ بانو بیگم
- ماہ بانو بیگم

اولاد غفران مآب میر نظام علیخاں:

- عالیجاہ امیر الامراء (میر محمد علیخاں)
- (۵) سکندر جاہ آصفجاہ ثالث (میر اکبر علیخاں)
- فریدوں جاہ (میر سبحان علیخاں)
- جہاندار جاہ (میر ذوالفقار علیخاں)
- اکبر جاہ (میر تیمور علیخاں)
- جمشید جاہ (میر نظام علیخاں)
- سلیمان جاہ (میر جہانگیر علیخاں)
- کیوان جاہ (میر جہاندار علیخاں)
- بیدری بیگم
- فخر النساء بیگم
- نقشبندی بیگم
- ریاض النساء بیگم
- قمر النساء بیگم
- فرحت النساء بیگم
- ساجدہ بیگم
- جہاں آرا بیگم
- سلیمہ بانو بیگم
- کابلی بیگم
- امیر النساء بیگم
- بشیر النساء بیگم

ع۱ ناصر جنگ کی شہادت کے بعد مظفر جنگ کی جانشینی کا اعلان کیا گیا تھا لیکن صرف چند دنوں کے بعد یہ مارے گئے اور دار السلطنت نہیں پہنچ سکے۔ اس لئے سلاطین کی فہرست میں اُن کا شمار نہیں کیا گیا۔

(۵) مغفرت منزل سکندر جاہ

(آصف جاہ ثالث)

۱۸۰۳ء تا ۱۸۲۹ء

۱۲۱۸ھ تا ۱۲۴۴ھ

(۶) ناصر الدولہ (فرخندہ علی خاں) غفران منزل (آصف جاہ رابع) ۱۸۲۹ء تا ۱۸۵۷ء — ۱۲۴۴ھ تا ۱۲۷۳ھ

صمصام الدولہ — مبارز الدولہ — سیف الملک — منور الملک — ذوالفقار الملک — قطب الدولہ — قمر الدولہ — منظفر الدولہ — جمال النساء بیگم — کمال النساء بیگم

میر بشیر الدین علی خان — (میر گوہر علیخاں) — (میر تفضل علیخاں) — (میر منور علیخاں) — (میر ذوالفقار علیخاں) — (میر محمود علیخاں) — میر داور علیخاں — میر فتح علیخاں

میر بادشاہ

غفور النساء بیگم — نامدار النساء بیگم — خضر النساء بیگم — بخت افروز بیگم — سلطانی بیگم — نور افروز بیگم — عصمت النساء بیگم — نور جہاں بیگم

(۷) مغفرت مکان افضل الدولہ (میر تہنیت علی خاں) (آصفجاہ خامس) ۱۸۵۷ء تا ۱۸۶۹ء — ۱۲۷۳ھ تا ۱۲۸۵ھ

روشن الدولہ (میر جہانگیر علی خاں)

(۸) غفران مکان میر محبوب علیخاں (آصفجاہ سادس) ۱۸۶۹ء تا ۱۹۱۱ء — ۱۲۸۵ھ تا ۱۳۲۹ھ

جبین النساء بیگم، زوجہ میر خورشید جاہ — پرورش النساء بیگم، زوجہ سر آسمان جاہ — جہاندار النساء بیگم، زوجہ مہر وقار الامرا — سراج النساء بیگم، زوجہ وزیر علی خاں آصف یاور الملک — نجیب النساء بیگم، زوجہ امام جنگ خورشید الملک — منیر النساء بیگم، زوجہ مظفر جنگ

(۸) غفران مکان میر محبوب علیخاں رح

(آصف جاہ سادس)

۱۸۶۹ء تا ۱۹۱۱ء

۱۲۸۵ھ تا ۱۳۲۹ھ

- میر فاروق علی خاں
- (۹) حضرت اقدس و اعلیٰ میر عثمان علیخاں خلد اللہ ملکہٗ — آصف جاہ سابع
  - اعظم جاہ میر حمایت علی خاں بہادر شہزادۂ برار
    - مکرم جاہ بہادر
    - مفخم جاہ بہادر
  - معظم جاہ میر شجاعت علی خاں بہادر
- صلابت جاہ (میر احمد محی الدین علیخاں)
- بسالت جاہ (میر محمد محی الدین علی خاں)
- نظام النساء بیگم
- غوث النساء بیگم — زوجہ فرید نواز جنگ
- داور النساء بیگم — زوجہ نذیر نواز جنگ
- آصف النساء بیگم — زوجہ مظفر نواز جنگ
- احمد النساء بیگم

یہاں حضرت آصف جاہ سابع کے صرف دو فرزندان اور نبیرہ گان بلند اقبال دکھائے گئے ہیں لیکن دوسرے صفحوں پر تمام صاحبزادگان بلند اقبال اور صاحبزادیاں فرخندہ فال کے نام درج ہیں۔

شاہزادگان بلند اقبال حضرت آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہ

۱ ۔ نواب میر حمایت علی خاں اعظم جاہ بہادر ہز ہائنس شہزادہ برار

۲ ۔ نواب میر شجاعت علیخاں معظم جاہ بہادر

۳ ۔ نواب میر نصرت علیخاں

۴ ۔ نواب میر احمد علی خاں

۵ ۔ نواب میر کاظم علیخاں کاظم جاہ بہادر

۶ ۔ نواب میر رضا علی خاں

۷ ۔ نواب میر عابد علی خاں عابد جاہ بہادر

۸ ۔ نواب میر حیدر علی خاں

۹ ۔ نواب میر حشمت علی خاں حشمت جاہ بہادر

۱۰ ۔ نواب میر جعفر علی خاں

۱۱ ۔ نواب میر ہاشم علی خاں ہاشم جاہ بہادر

۱۲ ۔ نواب میر جواد علی خاں

۱۳ ۔ نواب میر نقی علی خاں نقی جاہ بہادر

۱۴ ۔ نواب میر تراب علی خاں

۱۵ ۔ نواب میر مظہر علی خاں

(۱۶) نواب میر شوکت علی خاں

(۱۷) نواب میر امیر علی خاں

(۱۸) نواب میر بشارت علی خاں بشارت جاہ بہادر

(۱۹) نواب میر مفخم علی خاں

(۲۰) نواب میر رجب علی خاں رجب جاہ بہادر

(۲۱) نواب میر سعادت علی خاں سعادت جاہ بہادر

(۲۲) نواب میر فراست علی خاں

(۲۳) نواب میر امجد علی خاں

(۲۴) نواب میر افتخار علی خاں

(۲۵) نواب میر جواد علی خاں جواد جاہ بہادر

شاہزادیانِ فرخندہ فال حضرت آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہٗ

۱ - احمد النساء بیگم
۲ - حرمت النساء بیگم
۳ - کریم النساء بیگم
۴ - جمال النساء بیگم
۵ - بہبود النساء بیگم
۶ - فیروز النساء بیگم
۷ - محمود النساء بیگم
۸ - مہر النساء بیگم
۹ - غفور النساء بیگم
۱۰ - عظیم النساء بیگم
۱۱ - نذیر النساء بیگم
۱۲ - کبیر النساء بیگم
۱۳ - مسعود النساء بیگم
۱۴ - عصمت النساء بیگم
۱۵ - بشیر النساء بیگم
۱۶ - صاحبزادی بیگم صاحبہ

یہ شجرہ وقائع معظمیہ مولفۂ نواب معظم الملک بدر الدین خاں اور دربار آصف مولفۂ غلام صمدانی خاں گوہر تحریر لسان آصفیہ مولفۂ مانک راؤ صاحب سے ماخوذ ہے وقائع معظمیہ مرتبہ حکیم شمس اللہ صاحب قادری سے بھی استفادہ کیا گیا۔

(۲۱) خاندان میسور

آغاز ۱۳۹۹ء
۸۰۲ھ

سطح مرتفع میسور کی بہت قدیم تاریخ ہے۔ اس کا شمال مشرقی حصہ تیسری صدی ق م میں راجہ اشوک کی عملداری میں تھا اس کے بعد آندھرا راجگان اس پر قابض ہوئے۔ ان کے زوال کے بعد اس علاقے پر چولا۔ گنگا اور پلاوا راجگان نے حکومت کی اور چالوکیہ اور راشٹرا کٹ راجگان کا یہاں راج رہا لیکن جب بارھویں صدی عیسوی میں چالوکیہ خاندان کا زوال ہوا تو ہوئےسل خاندان نے یہاں اپنا راج قایم کیا۔ ان کا پایۂ تخت پہلے بید تھا جو شمال میسور میں واقع ہے۔ جب چودھویں عیسوی میں شمال کے مسلمان حملہ آوروں نے ہوئےسل خاندان کا خاتمہ کر دیا تو اس کے بعد جنوب کی بڑی سلطنت بیجانگر قائم ہو گئی جو سطح مرتفع میسور پر پھیل گئی۔ اس کے صوبہ دار سرنگا پٹم اور تنجور میں مامور تھے۔ لیکن ۱۵۶۵ء ۹۷۲ھ میں اس کا بھی خاتمہ ہو گیا تو میسور کے قدیم راجگان جو بیجانگر کے باج گزار تھے خود مختار ہو گئے زمانۂ حال تک میسور میں چار خاندانوں نے حکومت کی سب سے پہلا خاندان جو ودیار[1] کہلاتا ہے ایک مشہور راجہ وجے کی اولاد میں سے ہے۔ روایت یہ ہے کہ وجے اور اس کا بھائی کرشنا گجرات سے اپنی قسمت آزمائی کے لیے میسور آئے اور اس کے بعض علاقوں پر قابض ہو گئے۔ لیکن یہ

[1] یہ راجگان اپنے کو یادوہی کہتے ہیں۔

سلطنت بیجا نگر کے ماتحت تھے۔ وجے کا عہد حکومت ۱۳۹۹ء (۸۰۲ھ) سے ۱۴۲۳ء (۸۲۷ھ) تک پایا جاتا ہے اس کی راست اولاد میں سولہ راجہ گزرے ہیں اس کے چھٹے راجہ تمّا راج کے عہد میں جس نے ۱۵۵۲ء تا ۱۵۷۱ء حکومت کی تھی سلطنت بیجا نگر کا خاتمہ ہو گیا تو یہ خود مختار ہو گئے چنانچہ نویں راجہ مہاپتی یا راج ادہی راج نے سرنگاپٹم پر قبضہ کر کے موجودہ سلطنت میسور کی بنیاد ڈالی لیکن بارھویں راجہ نرسا راج کے عہد میں ۱۶۳۸ء (۱۰۴۸ھ) میں بیجا پور کے مشہور جنرل اندولہ خاندان نے میسور پر حملہ کر دیا اور سیرا کو صدر مقام بنا کر سرنگاپٹم کو بیجا پور کا باجگزار بنا دیا بیجا پور کے دوسرے جنرل شاہ جی نے جو ان حملوں میں شریک تھا بنگلور کو بطور جاگیر حاصل کر لیا چودھویں راجہ چک دیو راج کے عہد میں جب کہ مغل سلطنت بیجا پور اور گولکنڈہ کو ضم کر کے جنوب میں پھیل گئی تو اورنگ زیب کے جنرل قاسم خاں نے میسور پر حملہ کر دیا۔ چک دیو راج نے شہنشاہ کی اطاعت اختیار کر لی اور شہنشاہ کی خدمت میں تحفے بھیجے۔ جب شہنشاہ اورنگ زیب کا انتقال ہو گیا اور اس کے سترہ سال کے بعد دکن میں سلطنت آصفیہ قایم ہوئی تو سرنگاپٹم بھی سلاطین آصفیہ کے ماتحت آگیا۔ کیونکہ سلاطین آصفیہ دکن میں اورنگ زیب کے جانشین تھے۔

چک دیو راج ۱۷۰۴ء (۱۱۱۶ھ) میں فوت ہوا۔ اس کے جانشین بہت کمزور تھے اور یہ اپنے وزرا کے ہاتھ میں کٹ پتلی ہو گئے یہ وزرا جو دلوائی کہلاتے ہیں جس کو چاہتے راجہ بناتے تھے چنانچہ چک دیو راج کا بیٹا کنتی ریو اور اس کے بعد اس کا بیٹا دُوکرشنا دوم گدی نشین کیا گیا لیکن ۱۷۳۱ء (۱۱۴۴ھ) میں اس کو علیحدہ کر دیا گیا اور شاہی خاندان کے ایک دور کے رشتہ دار کو جس کا نام چامراج ہشتم ہے گدی نشین کر دیا۔ اسی طرح ۱۷۳۱ء (۱۱۴۴ھ) میں پرانا خاندان ختم ہو گیا اور نیا خاندان شروع ہو گیا تین سال کے بعد چامراج علیحدہ کیا گیا اور اس کی جگہ امادی کرشنا سوم نامی ایک اور بچے کو جس کی عمر صرف تین سال کی تھی گدی نشین کیا گیا جو ہمیشہ سے بے دست و پا رہا اسی کے عہد میں حیدر علی نے جو

معمولی سپاہی کی حیثیت میں نندراج وزیر کی فوج میں ملازم تھا مقتدر ہوگیا اور سنہ ۱۷۶۱ء (۱۱۷۵ھ) میں میسور پر قابض ہوگیا۔ سنہ ۱۷۶۶ء (۱۱۸۰ھ) میں امادی کرشنا فوت ہوگیا اس کے دو بیٹے ننج راجہ اور بٹاد چامراج نہم بے دست و پا کر دئے گئے۔

اگرچہ حیدر علی خاں نے پرانے خاندان کا خاتمہ کر کے ایک نئے خاندان کے رکن کو جس کا نام کھاسں چامراج دہم ہے راجہ بنایا تھا لیکن اس کے اختیارات نہ تھے۔ تمام سلطنت میسور حیدر علی کے ہاتھ میں آگئی جو اس کی کوششوں سے بہت پھیل گئی۔ انگریز کمپنی سے اس کی بیشمار لڑائیاں ہوئیں سنہ ۱۷۸۲ء (۱۱۹۷ھ) میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کا بیٹا فتح علی خاں جو ٹیپو سلطان کے نام سے مشہور ہے میسور کا بادشاہ ہوا یہ جنوب ہند کا ایک جلیل القدر حکمران تھا اور سچ تو یہ ہے کہ میسور کی واقعی عظمت اسی مسلمان خاندان کے زمانے میں پیدا ہوئی۔ لیکن ٹیپو سلطان سنہ ۱۷۹۹ء (۱۲۱۴ھ) میں انگریزوں کے ساتھ لڑائی میں شہید ہوگیا تو لارڈ ویلزلی نے جو اس زمانے میں ہندوستان کا گورنر جنرل تھا میسور کے حصے بخرے کردئے ایک حصے پر جو اس وقت موجودہ ریاست میسور میں شامل ہے کھاس چامراج دہم کے بیٹے کو جس کا نام کرشن راجندر سوم ہے گدی نشین کردیا۔ پورنیا اس کا وزیر تھا لیکن اس راجہ کے عہد میں بڑی بدانتظامی ہوئی چنانچہ سنہ ۱۸۳۱ء (۱۲۴۷ھ) میں کرشنا کو گدی سے اتار دیا گیا اور سنہ ۱۸۸۱ء (۱۲۹۹ھ) میں کرشنا کے بیٹے چامراجندر یازدہم کو گدی نشین کیا گیا۔ راجہ چامراجندر کا سنہ ۱۸۹۴ء (۱۳۱۲ھ) میں انتقال ہوا اور موجودہ راجہ ہز ہائی نس سری کرشنا راجندر ودیار بہادر گدی نشین ہوئے اور سنہ ۱۹۰۲ء (۱۳۲۰ھ) میں ان کو تمام اختیارات حکومت تفویض کیے گئے۔

---

(۱) وجئے یا یادو
۱۳۹۹ء تا ۱۴۲۳ء
۸۰۲ھ تا ۸۲۷ھ

چام راج

(۲) ہر بیٹد چام اول
۱۴۲۳ء تا ۱۴۵۸ء
۸۲۷ھ تا ۸۶۳ھ

(۳) تماراج اول
۱۴۵۸ء تا ۱۴۷۸ء
۸۶۳ھ تا ۸۸۳ھ

(۴) ہرے یا آریرل چام دوم
۱۴۷۸ء تا ۱۵۱۳ء
۸۸۳ھ تا ۹۱۹ھ

(۵) بڈ چام سوم
۱۵۱۳ء تا ۱۵۵۲ء
۹۱۹ھ تا ۹۶۰ھ

(۶) تماراج دوم
۱۵۵۲ء تا ۱۵۷۱ء
۹۶۰ھ تا ۹۷۹ھ

کرشناراج اول

(۷) بول چام چہارم
۱۵۷۱ء تا ۱۵۷۶ء
۹۷۹ھ تا ۹۸۴ھ

(۸) بٹڈ چام پنجم
۱۵۷۶ء تا ۱۵۷۸ء
۹۸۴ھ تا ۹۸۶ھ

(۹) راجہ ادھیراج
یا راجہ جی تیج اس نے سرنگاپٹم پر قبضہ کیا
اور میسور کی راج دھانی قائم کی (۱۵۷۸ء تا ۱۶۱۷ء
۹۸۶ھ تا ۱۰۲۶ھ)

بڈ چام ششم

موہن دیو

(۱۲) کانتی راؤ نرسا اول
۱۶۳۸ء تا ۱۶۵۹ء
۱۰۴۸ھ تا ۱۰۷۰ھ

(۹) راجہ ادھیراج
موہن دیو
نرسا راج
تین لڑکے کمسنی میں مر گئے۔
(۱۱) اماری راج
۱۶۳۷ءتا ۱۶۳۸ء
۱۰۴۷ھ تا ۱۰۴۸ھ
(۱۰) چاما ہفتم
۱۶۱۷ء تا ۱۶۳۷ء
۱۰۲۷ھ تا ۱۰۴۴ھ
دودا دیو
چکادیو راجندر
(۱۳) کپا دیو
ماری دیو
۱۶۵۹ءتا ۱۶۷۲ء
۱۰۷۰ھ تا ۱۰۸۳ھ
(۱۴) چک دیو راج
۱۶۷۲ءتا ۱۷۰۴ء
۱۰۸۳ھ تا ۱۱۱۶ھ
کانتی راؤ نرسا دوم
(۱۵) کانتی راؤ نرسا سوم
۱۷۰۴ءتا ۱۷۱۳ء
۱۱۱۶ھ تا ۱۱۲۵ھ
(۱۶) دودکرشنا دوم
۱۷۱۳ءتا ۱۷۳۱ء
۱۱۲۵ھ تا ۱۱۴۴ھ

چام راج ہشتم

١٧٣١ء تا ١٧٣٤ء
١١٤٤ھ تا ١١٤٧ھ

امادی کرشنا سوم

١٧٣٤ء تا ١٧٦١ء
١١٤٧ھ تا ١١٧٥ھ

ننج راج

١٧٦٧ء / ١١٦١ھ یہ محل سے نکال دیا گیا۔
اور سنہ ١٧٧٠ء / ١١٨٤ھ میں فوت ہوا۔

بڈ چام راج نہم

١٧٤٥ء / ١١٥٨ھ میں فوت ہوا
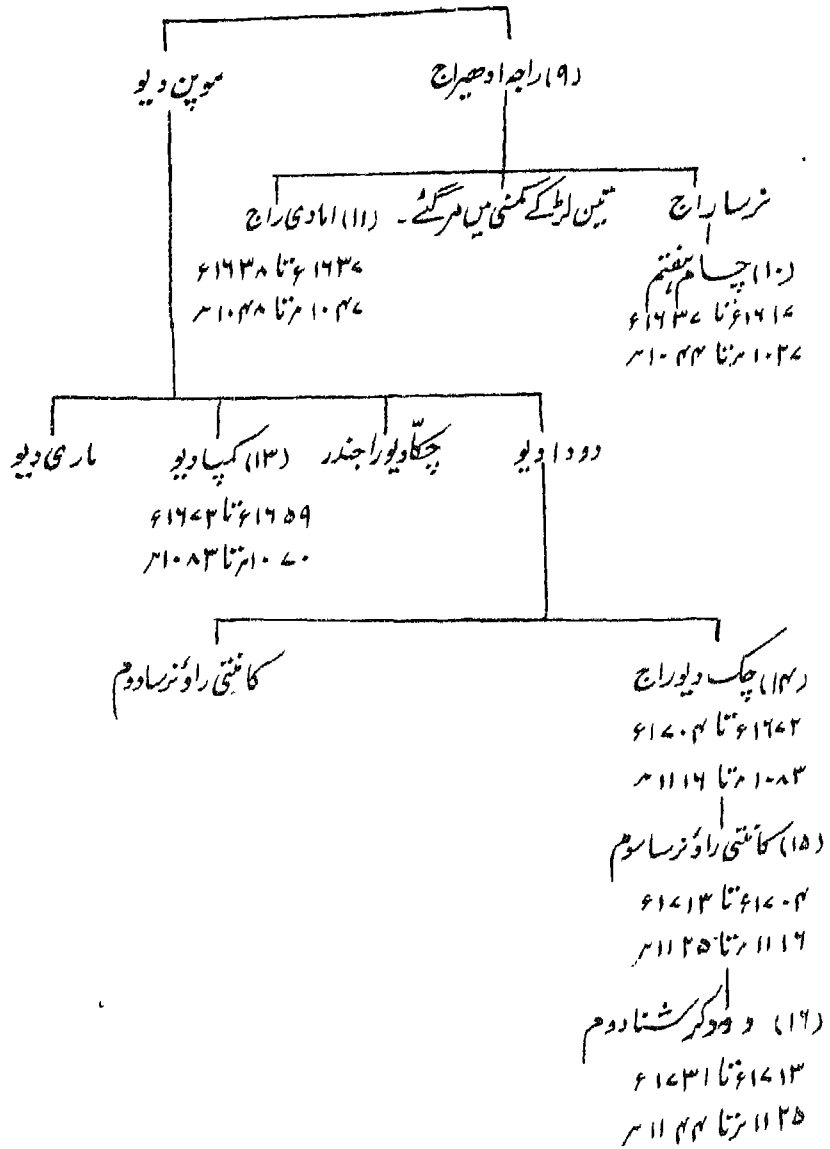
١٧٣١ء / ١١٤٤ھ میں قدیم خاندان بالکل ختم ہوگیا اس کے بعد میسور کی حکومت اس کے وزرا کے ہاتھ میں تھی۔ وہ جس کو چاہتے راجہ بناتے تھے۔ چنانچہ پہلے چام راج ہشتم نامی ایک شخص کو جو قدیم شاہی خاندان کا ایک رشتہ دار تھا راجہ بنایا مگر تین سال کے بعد اس کو ہٹا کر ایک اور رشتہ دار امادی کرشنا سوم کو گدی پر بیٹھایا جس کو کوئی اختیارات نہ تھے۔ ١٧٦١ء / ١١٧٥ھ میں ایک اور انقلاب ہوگیا نواب حیدر علی خاں نے ان راجگان کو علیحدہ کر کے اپنے خاندان کی بنیاد ڈالی۔ حیدر علی خاں اور اس کے بیٹے فتح علی خاں ٹیپو سلطان نے ١٧٩٩ء / ١٢١٤ھ تک میسور پر بادشاہی کی جو میسور کا تیسرا خاندان ہے

فتح محمد

نواب حیدر علی خاں

١٧٦١ء تا ١٧٨٢ء
١١٧٥ھ تا ١١٩٧ھ

فتح علی خاں ٹیپو سلطان

١٧٨٢ء / ١١٩٧ھ — ١٧٩٩ء / ١٢١٤ھ

کھاسں چام راج دہم

۱۷۷۵ء تا ۱۷۹۵ء

۱۱۸۹ھ تا ۱۲۱۰ھ

کرشن راجندر سوم

۱۷۹۹ء تا ۱۸۳۱ء

۱۲۱۴ھ تا ۱۲۴۷ھ

چام راجندر یازدہم (متبنیٰ بیٹا)

۱۸۸۱ء تا ۱۸۹۴ء

۱۲۹۹ھ تا ۱۳۱۲ھ

ہز ہائی نس سری کرشن راجندر ودیار بہادر (جی سی ایس آئی۔ جی بی ای) والی میسور

ہز ہائی نس سری کانتی راؤ نرسمہا راج ودیار بہادر آنجہانی

شاہزادہ جے چام راج ودیار بہادر ولیعہد میسور

کھاسں چام راج دہم کو حیدر علی نے برائے نام ۱۷۷۵ء ۱۱۸۹ھ میں راجہ بنایا تھا جس کو قدیم خاندان سے کوئی تعلق نہیں ہے کھاس چام راج اور اس کے بیٹے کرشن راجندر سوم کو کوئی اختیارات نہ تھے کیونکہ اس زمانے میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان میسور میں مقتدر تھے۔ البتہ ٹیپو سلطان کے خاتمے کے بعد ۱۷۹۹ء ۱۲۱۴ھ میں انگریزوں نے کرشن راجندر سوم کو میسور کا راجہ بنایا تھا۔ لیکن ۱۸۳۱ء ۱۲۴۷ھ میں ملک کی بدانتظامی کی وجہ سے اس کو گدی سے اتار دیا گیا۔ اور میسور میں براہ راست انگریزی حکومت قایم ہوگئی۔ پھر ۱۸۸۱ء ۱۲۹۹ھ میں معزول راجہ کے متبنیٰ بیٹے چام راجندر یازدہم کو راجہ بنایا گیا۔

حصۂ چہارم

یہ حصہ سوم کا ضمیمہ ہے اس میں جنوب دکن کے ان چھوٹے خاندانوں کا حال اور شجرے درج ہیں جو پہلے صوبہ دار اور فوجدار تھے لیکن بعد کو نیم خود مختار ہو گئے۔ یہ سلاطین نہیں بلکہ نوابان کہلاتے ہیں۔ اس فہرست میں نوابان کرناٹک۔ کرنول۔ سدھوٹ اور شاہ نور شامل ہیں۔

(۲۲) نوابان کرناٹک (ارکاٹ)

۱۷۱۰ء تا ۱۸۵۵ء

۱۱۲۲ھ تا ۱۲۷۲ھ

جنوب دکن میں جو دریائے تنگبھدرا کے نیچے مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا ہے اور کرناٹک کہلاتا ہے چند نواب خاندانوں نے حکومت کی جو پہلے صوبہ دار اور فوجدار تھے اور بعد کو خود مختار یا نیم خود مختار ہو گئے اس علاقے پر ایک زمانے میں سلطنت بیجا نگر پھیلی ہوئی تھی لیکن جب ۱۵۶۵ء / ۹۷۲ھ میں اس سلطنت کا خاتمہ ہو گیا تو اس علاقے کو گولکنڈہ اور بیجاپور کی سلطنتوں نے آپس میں بانٹ لیا۔ سترھویں صدی کے اواخر میں شہنشاہ اورنگ زیب نے ان سلطنتوں کا خاتمہ کر دیا تو جنوبی دکن بھی جو ان سلطنتوں کی عملداری میں تھا براہ راست مغل شہنشاہت میں آ گیا۔ کیونکہ شہنشاہ اورنگ زیب کے جنرل قاسم خاں نے ۱۶۸۷ء / ۱۰۹۸ھ میں کرناٹک بالاگھاٹ فتح کر لیا اور دوسرے مشہور جنرل ذوالفقار خاں نصرت جنگ نے ۱۶۹۱ء / ۱۱۰۲ھ میں کرناٹک پائین گھاٹ مسخر کر لیا۔ کرناٹک بالاگھاٹ میں سدھوٹ۔ گنجی کوٹہ۔ گوتی۔ گرم کنڈہ۔ کھمم۔ بلاری۔ رائنت پور اور مغربی علاقے کنارا۔ ملیبار کوچین وغیرہ داخل تھے اور پائین گھاٹ میں گنٹور۔ نلور۔ چنگل پیٹ۔ مدراس جنوبی ارکاٹ بارہ محل سیلم کوئمتور۔ شمالی ارکاٹ اور ویلور تھے۔ ان تمام علاقوں کے انتظام کے لیے

لہ یہ مواد "تاریخ جنوب ہند" مولفہ محمود خاں بنگلوری سے لیا گیا ہے۔

ایک بڑا صوبہ دار مقرر کیا گیا جس کا صدر مقام سیرا قرار دیا گیا جو بنگلور سے شمالی جانب ۷۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے[1]۔ پہلے قاسم خاں اور اس کے بعد ذوالفقار یہاں کے گورنر ہوئے ۱۷۰۳ء؁ میں داؤد خاں گورنر مقرر ہوا۔ چونکہ سیرا کے تحت بہت بڑا صوبہ تھا اس لیے مشرقی کرناٹک میں جس کو پائین گھاٹ کہا جاتا ہے چھوٹے گورنر مقرر کیے گئے جو سیرا کے ماتحت ہوتے تھے چنانچہ داؤد خاں نے اپنی طرف سے پائین گھاٹ کے انتظام کے لئے سعادت اللہ خاں کو مقرر کیا تھا۔ اس ذیلی صوبے کا صدر مقام پہلے جنجی قرار دیا گیا تھا۔ لیکن اس کی آب و ہوا ناخوشگوار ہونے کی وجہ سے اس کو چھوڑ کر ارکاٹ اختیار کیا گیا چنانچہ اسی صدر مقام کی بدولت جو مدراس سے تقریباً ۷۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے یہ چھوٹا صوبہ ارکاٹ ہی کہلاتا ہے اور یہاں کے صوبہ دار جو بعد کو سیرا کی گورنری سے علیحدہ ہو گئے نوابانِ ارکاٹ کہلاتے ہیں۔ ان کی علیحدگی کی وجہ یہ تھی کہ شہنشاہ اورنگ زیب کے انتقال کے بعد جب جنوب میں شہنشاہیت کی طنابیں ڈھیلی ہو گئیں تو سیرا کی صدر گورنری بھی منتشر ہو گئی کیونکہ اول تو اس پر مرہٹوں کی یورشیں ہونے لگیں اور اس کے بعد نواب حیدر علی خاں والی میسور نے شمال میں بڑھ کر سیرا پر قبضہ کر لیا۔

---

[1] عادل شاہی کرناٹک، بالاگھاٹ کا صدر مقام بھی یہی تھا اور بیجاپور کا گورنر رندولہ خاں یہیں رہتا تھا۔

۱۔ خاندان نوائط

۱۷۱۰ء تا ۱۷۴۳ء
۱۱۲۲ھ تا ۱۱۵۷ھ

ارکاٹ کا پہلا خاندان نوائط ہے جو سعادت اللہ خاں سے شروع ہوتا ہے۔ اس نے سنہ ۱۷۱۰ء (۱۱۲۲ھ) سے اس صوبے پر خود مختارانہ حکومت کی اور اس کے بعد اس کے بیٹے اور پوتے دوست علیخاں اور صفدر علی خاں اس کے جانشین ہوئے۔ لیکن صفدر علی خاں کے عہد میں آپس کی خانہ جنگی اور مرہٹوں کی یورشوں کی وجہ سے یہ کمزور ہو گئے۔ چنانچہ صفدر علی کو اس کی بہن نے زہر دے کر مار دیا اور مرہٹوں نے اس کے ایک بہنوی حسین دوست خاں (چندا صاحب) کو قید کر دیا۔ اس زمانے میں سلطنت آصفیہ قائم ہوگئی تھی جس کے بانی حضرت مغفرت مآب آصفجاہ تھے۔ چونکہ کرناٹک بھی حیدرآباد کے ماتحت تھا اس لیے حضرت آصفجاہ نے سنہ ۱۷۴۳ء (۱۱۵۷ھ) میں اس صوبے کا دورہ کیا اور اس کے باضابطہ نظم و نسق کی خاطر ایک دوسرے شخص کو جس کا نام انورالدین خاں اور خطاب شہامت جنگ تھا اس کا گورنر مقرر کر دیا۔ انورالدین خاں گوپامو (خیرآباد) کے رہنے والے تھے اور نظام الملک کے ساتھ حیدرآباد آئے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۷۴۳ء (۱۱۵۷ھ) سے جب کہ انورالدین خاں کی گورنری شروع ہوئی نوائط کی جگہ دوسرا خاندان شروع ہو گیا جو خاندان انوری یا والاجاہی کہلاتا ہے کیونکہ بعد کو ان کا خطاب والاجاہی ہو گیا۔

۲۔ خاندان والاجاہی

۱۷۴۳ء تا ۱۸۵۵ء

۱۱۵۷ھ تا ۱۲۷۲ھ

جس زمانے میں نواب انور الدین خاں ارکاٹ کے گورنر ہوئے تھے مشرقی ساحلوں پر دو مغربی قومیں انگریز اور فرانسیسی اپنا اثر بڑھا رہی تھیں۔ چونکہ ان دونوں قوموں میں رقابت تھی اس لئے ان لوگوں نے ارکاٹ کے صوبہ دار کو اپنا دوست بنانے کی کوشش کی۔ تاکہ ان کی مدد سے ایک دوسرے کو نیچا دکھائیں اتفاق یہ ہے کہ انور الدین خاں شہامت جنگ انگریزوں کے ہمدرد ہوگئے تو فرانسیسی جن کا رہنما اس زمانے میں ڈوپلے تھا ان کے مخالف ہوگئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے انور الدین خاں کو مغلوب کرنے کے لئے کرناٹک کے قدیم خاندان کی تائید شروع کردی ۱۷۴۹ء ۱۱۶۲ھ میں انور الدین خاں اور ڈوپلے میں جس کے ساتھ چندا صاحب اور مظفر جنگ شریک تھے امبور کے مقام پر لڑائی ہوگئی۔ اس لڑائی میں انور الدین خاں مارے گئے اور ان کا بیٹا محمد علی والاجاہ انگریزوں کی پناہ میں چلا گیا۔ اگرچہ ۱۷۵۰ء ۱۱۶۴ھ میں ناصر جنگ نے فرانسیسیوں سے اس کا انتقام لینے کے لئے حملہ کردیا لیکن وہ خود اس دار و گیر میں شہید ہوگئے۔ لیکن جب ۱۷۵۱ء ۱۱۶۵ھ میں محاصرہ ارکاٹ کے بعد انگریز فرانسیسیوں پر غالب آگئے تو انھوں نے محمد علی والاجاہ کو کرناٹک کا نواب بنادیا۔ اور اس پر طرہ یہ کہ ۱۷۶۵ء ۱۱۷۹ھ میں شاہ عالم سے فرمان لکھا کر کرناٹک کو حیدرآباد سے علیحدہ کردیا۔ اس طرح کرناٹک کے نواب حیدرآباد سے علیحدہ ہو کر انگریزوں کے ماتحت ہوگئے۔

اگرچہ اس والاجاہی خاندان نے انگریزوں کی بہت مدد کی لیکن اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ ۱۷۹۵ء ۱۲۱۰ھ میں محمد علی والاجاہ کا انتقال ہو گیا تو عمدۃ الامرا باپ کے جانشین ہوئے لیکن جب ۱۸۰۱ء ۱۲۱۶ھ میں یہ فوت ہوئے تو ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ویلزلی نے ان کے بیٹے علی حسین تاج الامرا کو چند شرائط کے ساتھ نواب بنانا چاہا جن کو انہوں نے منظور نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گورنر جنرل ان کے چچازاد بھائی اعظم الدولہ کو نواب بنادیا جن کے اختیارات بہت کچھ سلب کر لیے گئے۔ ۱۸۱۹ء ۱۲۳۴ھ میں اعظم الدولہ کا انتقال ہو گیا ان کا بیٹا اعظم جاہ ان کا جانشین کیا گیا۔ جب ۱۸۲۵ء ۱۲۴۱ھ میں ان کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے محمد غوث خاں بہت کمسن تھے یہ اپنے چچا اعظم جاہ کی ولایت میں نواب بنائے اور ۱۸۴۲ء ۱۲۵۸ھ میں ان کو اختیارات دے گئے۔ ۱۸۵۵ء ۱۲۷۲ھ میں ان کا انتقال ہوا تو نوابی اور اس کے اعزاز و مناصب بالکل ختم کر دیے گئے۔ اعظم جاہ اور ان کے جانشینوں کو صرف شاہزادۂ ارکاٹ کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اعظم جاہ کے دو بیٹے ظہیر الدولہ اور انتظام الملک یکے بعد دیگرے ان کے جانشین ہوئے اور ان کے بعد انتظام الملک کے بیٹے منور خاں نواب ہوئے اور اب ان کے بیٹے سر محمد علی خاں بہادر شاہزادۂ ارکاٹ ہیں۔

۱؎ یہ مواد دکھنی مخطوطات مولفہ نصیر الدین ہاشمی سے ماخوذ ہے۔

خاندان نوائط

۱۷۱۰ء تا ۱۷۴۳ء
۱۱۲۲ھ تا ۱۱۵۷ھ

(۱) سعادت اللہ خاں اول

شہنشاہ بہادر شاہ کی طرف سے نواب بنائے گئے۔
۱۷۱۰ء تا ۱۷۳۲ء
۱۱۲۲ھ تا ۱۱۴۵ھ
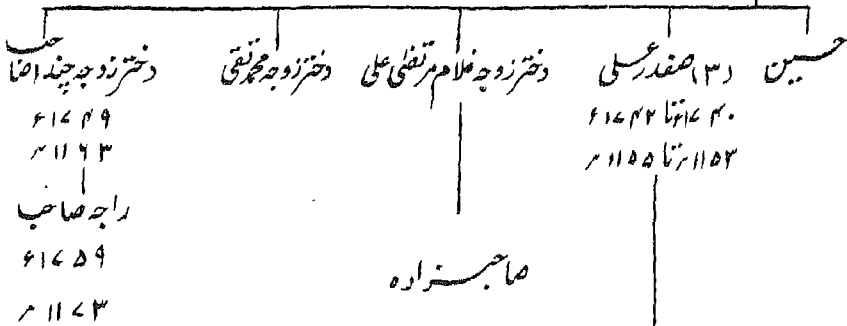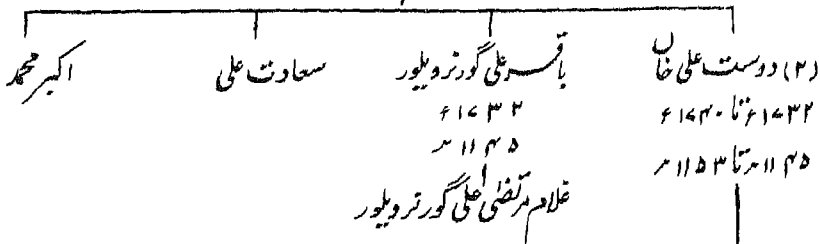
- (۲) دوست علی خاں
  ۱۷۳۲ء تا ۱۷۴۰ء
  ۱۱۴۵ھ تا ۱۱۵۳ھ
  - حسین
  - (۳) صفدر علی
    ۱۷۴۰ء تا ۱۷۴۲ء
    ۱۱۵۳ھ تا ۱۱۵۵ھ
    - (محمد سعید) سعادت اللہ خاں ثانی
      ۱۷۴۳ء تا ۱۷۴۳ء
      ۱۱۵۵ھ تا ۱۱۵۷ھ
  - دختر زوجہ غلام مرتضیٰ علی
    - صاحبزادہ
  - دختر زوجہ محمد تقی
  - دختر زوجہ چندا صاحب
    ۱۷۴۹ء
    ۱۱۶۳ھ
    - راجہ صاحب
      ۱۷۵۹ء
      ۱۱۷۳ھ
- باقر علی گورنر ویلور
  ۱۷۳۲ء
  ۱۱۴۵ھ
  - غلام مرتضیٰ علی گورنر ویلور
- سعادت علی
- اکبر محمد

خاندان والاجاہی

۱۷۴۳ء تا ۱۸۵۵ء
۱۱۵۷ھ تا ۱۲۷۲ھ

(۱) انورالدین خاں شہامت جنگ

۱۷۴۳ء تا ۱۷۴۹ء
۱۱۵۷ھ تا ۱۱۶۲ھ

- محفوظ خاں — مدورا کے گورنر مقرر ہوئے
- (۲) محمد علی خاں والاجاہ — ۱۷۴۹ء تا ۱۷۹۵ء، ۱۱۶۲ھ تا ۱۲۱۰ھ
  - (۳) عمدة الامرا — ۱۷۹۵ء تا ۱۸۰۱ء، ۱۲۱۰ھ تا ۱۲۱۶ھ
    - علی حسین (تاج الامرا)
  - امیر الامرا
  - (۴) عظیم الدولہ — ۱۸۰۱ء تا ۱۸۱۹ء، ۱۲۱۶ھ تا ۱۲۳۴ھ
    - (۵) اعظم جاہ — ۱۸۱۹ء تا ۱۸۲۵ء، ۱۲۳۴ھ تا ۱۲۴۱ھ
      - (۷) نواب محمد غوث خاں — ۱۸۴۲ء تا ۱۸۵۵ء، ۱۲۵۸ھ تا ۱۲۷۶ھ
    - (۶) عظیم جاہ بہادر "شہزادہ ارکاٹ" — ۱۸۲۵ء تا ۱۸۴۲ء، ۱۲۴۱ھ تا ۱۲۵۸ھ
      - ظہیر الدولہ — شاہزادہ ارکاٹ
      - انتظام الملک — شاہزادہ ارکاٹ
      - عمدة الدولہ
      - معز الدولہ
        - منور خاں — شاہزادہ ارکاٹ
          - میر محمد علی خاں — شاہزادۂ ارکاٹ
- عبدالرحیم
- عبدالوہاب
- نجیب اللہ

(۶) عظیم جاہ بہادر اپنے بھتیجے نواب محمد غوث خاں کی کمسنی کے زمانے میں والی کرناٹک سمجھے جاتے تھے لیکن محمد غوث خاں کے سن شعور کو پہنچنے کے بعد علٰحدہ ہو گئے البتہ محمد غوث خاں کے مرنے کے بعد یہ شاہزادہ ارکاٹ ہوئے تھے۔

(۲۳) نوابان کرنول (قمر نگر)

۱۶۵۲ء تا ۱۸۳۸ء

۱۰۶۲ھ تا ۱۲۵۵ھ

قمر نگر کرنول جس کے شمال میں تنگبھدرا اور جنوب میں کڑپا اور بلاری واقع ہیں اس وقت جنوب کا ایک بڑا ضلع ہے۔ قدیم زمانے میں یہ راجگان ورنگل کی عملداری میں تھا۔ لیکن جب چودھویں صدی عیسوی میں سلطنت بیجا نگر قائم ہو گئی تو یہ اس جدید سلطنت کے تحت آ گیا۔ جنگ تالیکوٹ کے بعد جو ۱۵۶۵ء / ۹۷۲ھ میں واقع ہوئی تو بیجا پور کی سلطنت نے اس پر قبضہ کر لیا۔ چنانچہ مغلوں کی تسخیر تک یہ عادل شاہی سلطنت کا ایک صوبہ تھا اس کا پہلا قلعہ دار جو عادل شاہی سلطنت کی طرف سے مامور ہوا تھا عبدالوہاب نامی ایک حبشی بتایا جاتا ہے۔ اور ۱۶۵۲ء / ۱۰۶۲ھ میں خضر خاں پنی بوڑے زئی کو یہ خدمت دی گئی[1]۔ کرنول کے تمام نواب اسی خضر خاں کی اولاد میں سے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خضر خاں کے آباؤ اجداد کو دکن سے پرانا تعلق ہے کیونکہ ان کا مورث اعلیٰ محمود خاں محمود شاہ بہمنی کے عہد میں ورنگل کا سرلشکر تھا۔ غالباً اس خاندان کی ایک شاخ شمال چلی گئی اور مغل سلطنت کی ملازم ہو گئی۔ جب ۱۶۵۲ء / ۱۰۶۲ھ میں شاہزادہ اورنگ زیب

---

[1] بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب نے خضر خاں کو کرنول کی جاگیر دی تھی جو صحیح نہیں ہے اس زمانے میں کرنول بیجا پور کا صوبہ تھا۔ یہ خدمت محمد عادل شاہ والی بیجا پور کی طرف سے عطا ہوئی تھی۔

دکن کا ناظم ہو کر آیا تو خضر خاں بھی اس کے ہمراہ رکاب تھا لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ بیجاپور کے مشہور امیر بہلول خاں سے اس کے پرانے مراسم تھے۔ چنانچہ آخرالذکر کی وساطت سے خضر خاں عادل شاہی دربار میں داخل ہو گیا۔ اور بہت جلد بیجاپور کی وزارت اور کرنول کی جاگیر حاصل کی لیکن جب ۱۶۸۶ء ۱۰۹۷ھ میں شہنشاہ اورنگ زیب نے بیجاپور مسخر کر لیا اور اس کے ساتھ کرنول بھی مغل سلطنت میں داخل ہو گیا تو خضر خاں اور اس کی اولاد مغل شہنشاہیت کے ساتھ وابستہ ہو گئی۔ چنانچہ اس کا بیٹا داود خاں ذوالفقار خاں کی نیابت میں سیرا کا گورنر بنایا گیا جو اس زمانے میں تمام جنوبی ہند کا مرکز قرار دیا گیا تھا۔ خضر خاں بدقسمتی سے اورنگ آباد میں شیخ منہاج کے ہاتھ سے مارا گیا۔ داود خاں اس کا لائق جانشین تھا جس نے اپنے کارناموں سے اپنے قبیلے اور خاندان کو دکن میں زندہ کر دیا۔ اس نے دکن اور جنوب ہند کے ایک بڑے حصے کی صوبیداری کی۔ ارکاٹ کا تمام نظم و نسق اس کے سپرد تھا۔ اس نے بیجاپور میں تین سال کرناٹک میں ۱۵ سال گجرات میں تین سال اور برہان پور میں چند مہینے صوبیداری کی تھی۔ چونکہ حسین علی خاں امیرالامرا کے ساتھ اس کی ان بن ہو گئی اس لیے ۱۷۱۵ء ۱۱۲۷ھ میں یہ برہانپور میں حسین علی خاں کے ساتھ لڑتے ہوئے مارا گیا جو اس کی وفاداری کی بڑی دلیل ہے۔

چونکہ اس کی کوئی اولاد نہ تھی اس کے دو بھائی سلیمان خاں اور ابراہیم خاں اس کے جانشین ہوئے۔ اپنے چھوٹے بھائی ابراہیم خاں کو جو بہادر خاں کے خطاب سے مخاطب تھا اس نے اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا۔ یہی سلیمان خاں اور ابراہیم خاں داود خاں کے بعد کرنول کے فوجدار ہوئے تھے ۱۷۲۰ء ۱۱۳۲ھ میں ابراہیم خاں کرنول کا فوجدار مقرر ہوا۔ اسی زمانے میں حضرت مغفرت مآب نظام الملک نے دکن میں سلطنت آصفیہ قائم کر لی تو کڑپہ اور شاونور کے ساتھ کرنول بھی براہ راست سلطنت آصفیہ کے تحت آ گیا۔ چنانچہ ابراہیم خاں حضرت مغفرت مآب کے سلام کے لیے اورنگ آباد

آیا تھا۔ اس نے کوئی ۱۴ سال کرنول کی فوجداری کی۔ اس کے بیٹے الف خاں کو غالباً ۱۷۳۵ء ۱۱۴۳ھ میں حضرت آصفجاہ کی طرف سے کرنول کی سند ملی۔ چونکہ اس نے ناصر جنگ کی بغاوت میں حصہ لیا تھا اس لئے مغفرت مآب چند روز اس سے ناراض رہے لیکن بعد کو معاف کر دیا۔ اس نے ۱۴ سال کرنول کی فوجداری کی۔ اس کا بڑا بیٹا بہادر خاں (ہمت بہادر) ۱۷۴۳ء ۱۱۵۶ھ میں اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ جب مغفرت مآب کے انتقال کے بعد نواب ناصر جنگ دکن کے بادشاہ ہوئے تو فرانسیسیوں کی سازش کی وجہ سے کرناٹک میں ایک سیاسی انتشار پیدا ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانسیسیوں کے مقابلے میں کرناٹک کے صوبیدار انور الدین خاں شہامت جنگ مارے گئے۔ ناصر جنگ فرانسیسیوں کی سرکوبی کے لیے کرناٹک گئے تو ہمت بہادر بھی امداد کے لیے آیا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ ناصر جنگ کے خلاف فرانسیسیوں کے ساتھ مل گیا اور ناصر جنگ کو گولی ماردی۔ اگرچہ ناصر جنگ کی شہادت سے دکن کو بہت نقصان پہنچا لیکن اس بیوفائی سے ہمت بہادر کو بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ جب اس کی توقعات پوری نہیں ہوئیں تو رائچوٹی کے پاس مظفر جنگ سے جو ناصر جنگ کے جانشین بنائے گئے تھے برسر پیکار ہو گیا۔ اس لڑائی میں نہ صرف مظفر جنگ مارے گئے بلکہ حیدرآبادی سپاہیوں نے ہمت بہادر کا بھی خاتمہ کر دیا۔ ہمت بہادر نے سات سال کرنول کی فوجداری کی تھی اس پر طرہ یہ کہ جب صلابت جنگ دکن کے بادشاہ ہوئے تو کرنول کے فوجداروں سے انتقام لینے کیلئے کرنول پر چڑھائی کی اور ان کو شکست دی۔ لیکن پھر اپنی مہربانی سے ہمت بہادر کے بھائی منور خاں کو کرنول کی فوجداری بحال کر دی آخر منور خاں نے جس کا رستم خاں خطاب تھا ۴۱ سال فوجداری کی اس کے دس بیٹے تھے اور منجملہ ان کے ابراہیم خاں سب سے بڑا تھا۔ لیکن دوسرا بیٹا الف خاں ثانی ۱۷۹۲ء ۱۲۰۷ھ میں اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ ابراہیم خاں حضرت غفران مآب نواب نظام علیخاں کے عہد میں حیدرآباد آگیا اور خطابات اور جاگیروں سے سرفراز ہوا۔

میسور کے خاتمے کے بعد ۱۸۰۰ء میں انگریزی حکومت نے کڑپہ اور بلاری کے ساتھ کرنول بھی اپنی حکومت میں لے لیا اور کرنول کے نواب جو پیشکش حیدر آباد کو دیا کرتے تھے وہ انگریز حکومت کو دینے لگے ۔ ۱۸۱۵ء میں الف خاں ثانی کا انتقال ہوا ۔ اس کے بعد اس کے بڑے بیٹے منور خاں کو نواب ہونا چاہیئے تھا لیکن اس کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر چھوٹا بھائی مظفر خاں نواب بن گیا لیکن انگریز حکومت نے مظفر خاں کو ہٹا کر پھر منور خاں کو نواب بنایا جس نے ۱۸۲۳ء تک حکومت کی۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی ۔ اس لیے اس کا چھوٹا بھائی مظفر خاں مستحق تھا ۔ لیکن وہ کرنول آتے ہوئے ایک ایسے سنگین جرم کا مرتکب ہوا کہ اس کی پاداش میں وہ قلعہ ادہونی میں قید کر دیا گیا ۔ اسی قید میں وہ ۱۸۷۹ء میں مر گیا ۔ یہاں کرنول میں اس کے چھوٹے بھائی غلام رسول خاں کو نواب بنایا گیا ۔ جس نے اپنے ملک کو بہت فائدہ پہنچایا۔ مگر انگریزوں کو یہ شکایت تھی کہ اس نے حکومت کے خلاف کرنول میں بڑا مواد جمع کیا اور لڑائی کے لئے گولہ بارود تیار کی تھی ۔ چنانچہ ۱۸۳۸ء میں انگریزی فوج نے قلعہ کرنول پر دھاوا بول کر اس خاندان کا خاتمہ کر دیا ۔ اور غلام رسول خاں کو جو آخری نواب تھا ترچناپلی میں قید کر دیا گیا۔ ان کے پسماندگان کو کچھ وظیفے مقرر کر دیئے گئے ۔ یہ وظائف اب بھی جاری ہیں ۔

اس خاندان کی ایک شاخ جو الف خاں ثانی کے بڑے بھائی ابراہیم خاں کی اولاد ہے حیدر آباد میں موجود ہے ۔ اور امارت اور جاگیروں پر فائز ہے کیونکہ جب الف خاں کرنول کے نواب ہو گئے تو ابراہیم خاں کرنول چھوڑ کر اورنگ آباد آ گئے اور حضرت غفران مآب نواب نظام علیخاں کی بہت مدد کی ۔ غفران مآب نے ان کو اعظم خاں روشن جنگ کا خطاب عطا کیا ۔ اور جعفر آباد اور شاہ گڈھ کی جاگیریں دیں جو اس خاندان میں اب تک موجود ہیں ابراہیم خاں نے حضرت غفران مآب کے ساتھ حیدر آباد میں سکونت اختیار کی اور شہر کے باہر اپنے خاندانی نام سے نسست پورہ آباد کیا

جس کے آثار اب تک موجود ہیں ۔ ان کے دو بیٹے تھے ۔ ایک داود خاں اور دوسرے خضر خاں تھے داود خاں کی اولاد میں نواب دوست محمد خاں صاحب اور خضر خاں کی اولاد میں نواب بہبود علی خاں صاحب اور ان کے دوسرے بھائی موجود ہیں اور موروثی جاگیروں سے استفادہ کرتے ہیں ۔

ل نوابان کرنول کی تحقیق میں تذکرۃ البلاد والحکام مولفہ حسین علی کرمانی کے علاوہ نواب دوست محمد خاں صاحب جاگیردار سے بہت مدد ملی جو اس خاندان کے بڑے رکن ہیں ۔ نواب صاحب کو اپنے خاندان کے تاریخی حالات سے اچھی واقفیت ہے اور مختلف ماخذوں کو جمع کرکے نوابان کرنول کی ایک مبسوط تاریخ بھی لکھوائی ہے جو عنقریب شائع ہوگی ۔

(۱) خضر خاں پنی

۱۶۵۲ء - ۱۶۷۵ء میں مارے گئے۔
۱۰۶۲ھ - ۱۰۸۶ھ

- (۲) داود خاں
  ۱۷۱۵ء
  ۱۱۲۷ھ میں مارے گئے۔
- (۳) سلیمان خاں
- (۴) ابراہیم خاں
  ۱۷۲۱ء تا ۱۷۳۵ء
  ۱۱۳۶ھ تا ۱۱۴۳ھ
  - (۶) الف خاں
    ۱۷۳۵ء تا ۱۷۴۳ء
    ۱۱۴۳ھ تا ۱۱۵۶ھ
    - (۷) بہادر خاں (ہمت بہادر)
      ۱۷۴۳ء تا ۱۷۵۰ء
      ۱۱۵۶ھ تا ۱۱۶۴ھ
    - (۸) منور خاں (نصرت خاں)
      ۱۷۵۰ء تا ۱۷۹۱ء
      ۱۱۶۴ھ تا ۱۲۰۷ھ
      - ابراہیم خاں (اعظم خاں روشن جنگ)
        - داود خاں
          نوابان کرنول مقیم حیدرآباد
          تا
          نواب دوست محمد خاں صاحب جاگیردار
        - خضر خاں
          نوابان کرنول مقیم حیدرآباد
          تا
          نواب بہبود علی خاں صاحب جاگیردار
      - (۹) الف خاں ثانی
        ۱۷۹۱ء تا ۱۸۱۵ء
        ۱۲۰۷ھ تا ۱۲۳۰ھ
        - منور خاں ثانی
          ۱۸۱۵ء تا ۱۸۲۳ء
          ۱۲۳۰ھ تا ۱۲۳۹ھ
        - مظفر خاں
          ۱۸۷۹ء میں فوت ہوا
          ۱۲۹۷ھ
        - غلام رسول خاں
          ۱۸۲۳ء تا ۱۸۳۸ء
          ۱۲۳۹ھ تا ۱۲۵۵ھ

(۲۴) نوابان سدھوٹ (کڑپہ)

۱۷۰۸ء تا ۱۷۷۷ء

۱۱۱۹ھ تا ۱۱۹۱ھ

کڑپہ احاطۂ مدراس کا ایک بڑا ضلع ہے جس کے شمال میں کرنول مشرق میں نیلور اور جنوب میں ضلع ارکاٹ واقع ہیں اس کا صدر مقام جو ایک قصبہ ہے اسی نام سے موسوم ہے لیکن اس کا پُرانا صدر مقام سدھوٹ تھا جو کڑپے سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ چنانچہ سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں جن لوگوں نے یہاں حکومت کی تھی وہ نوابان سدھوٹ کہلاتے ہیں۔ جب تک جنوب میں سلطنت بیجانگر کا سکہ رواں تھا کڑپہ اسی سلطنت کی عملداری میں تھا۔ لیکن جب جنگ تالیکوٹ کے بعد اس پر چند مسلمان سردار قابض ہو گئے جو قطب شاہی سلطنت کے ماتحت تھے۔ ۱۶۴۲ء ۱۰۵۲ھ کے لگ بھگ اس پر مرہٹے چھاپہ مارنے لگے اور سیواجی نے اس کی لوٹ کی۔ لیکن سترھویں صدی کے آخر میں گولکنڈہ اور بیجاپور کا خاتمہ ہو گیا تو یہ جنوبی علاقہ بھی مغل سلطنت میں شامل ہو گیا۔ اور مغل حکومت نے یہاں اپنی طرف سے فوجدار مقرر کیے جو بعد کو خودمختار ہو گئے۔

مغل حکومت نے ایک افغان خاندان کو کڑپے کی فوجداری سپرد کی تھی جو بہلول خاں شاہ نوری کی اولاد میں سے تھا۔ اور اتفاق یہ ہے کہ اس خاندان کے بعض افراد کچھ پہلے سے یہاں حکمراں ہو چکے تھے۔ بہلول خاں بیجاپور کا امیر تھا جس کی اولاد میں نبی خاں عرف رستم خاں

بھی مشہور ہوا ہے۔ اس کے دو بیٹے اعظم خاں اور عبدالکریم خاں علی عادل شاہ ثانی کے عہد میں بیجا پور سے منحرف ہو کر مغل سلطنت سے مل گئے۔ اور ایک بیٹا عبدالرحیم خاں قطب شاہی سلطنت کا ملازم ہو گیا آخرالذکر نے عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں اکثر معرکوں میں حصہ لیا۔ اور اس کے بعد اس کا بیٹا نیکنام خاں قطب شاہی فوج کا افسر ہوا اور میر جملہ کے ساتھ بالاگھاٹ کی لڑائیوں میں شریک رہا اور کرناٹک میں اس کو جاگیریں بھی ملیں۔ اسی نے گنجی کوٹہ۔ بدویل اور صدر مقام سدہوٹ فتح کیے تھے اور سدہوٹ کو اپنا صدر مقام بنایا تھا اور اس کے قریب اپنے نام سے ایک نیا قصبہ آباد کیا تھا جو نیکنام آباد کہلاتا ہے۔ سدہوٹ اسی کے زمانے سے کڑپے کا صدر مقام ہو گیا۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو داود خاں نے جو جنوب کا مغل صوبہ دار تھا اس کے بھانجے لعل خاں کو سدہوٹ کا قلعہ دار مقرر کیا تھا۔

اورنگ زیب کے انتقال کے بعد اس کے جانشینوں میں جو خانہ جنگی ہوئی تو اعظم خاں اور عبدالکریم خاں نے بہت حصہ لیا اور لڑائی میں مارے گئے۔ چنانچہ ان خدمات کے صلے میں بہادر شاہ نے عبدالکریم خاں کے بیٹے عبدالنبی خاں کو ۱۷۰۸ء / ۱۱۱۹ھ میں سدہوٹ بطور جاگیر عطا کی۔ چنانچہ عبدالنبی خاں نے سدہوٹ اور کڑپہ کو بہت ترقی دی اور اس کو تمدن سے سنوارا۔ ۱۷۱۴ء / ۱۱۲۷ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کا بڑا بیٹا عبدالمجید خاں اس کا جانشین ہوا اگرچہ یہ نابینا تھا لیکن اس نے کڑپے میں خاطر خواہ حکومت کی۔ اور جب مغفرت مآب نظام الملک اورنگ آباد آئے تو ان کی اطاعت اختیار کر لی اور شکر کھیڑا کی لڑائی میں ان کا ساتھ دیا۔ ۱۷۲۴ء / ۱۱۳۷ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کا بھائی عبدالحمید خاں اس کا جانشین ہوا۔ اگرچہ اس نے ناصر جنگ کی بغاوت میں حصہ لیا تھا تاہم نظام الملک نے چشم پوشی کی۔ ۱۷۴۶ء / ۱۱۵۹ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کے دوسرے بھائی محسن خاں نے اس کی جگہ لی۔ اگرچہ فرانسیسیوں کے مقابلے میں ناصر جنگ کی

امداد کے لیے کرناٹک گیا تھا لیکن جب ناصر جنگ شہید ہو گئے تو یہ اونٹ پر فرار ہو گیا۔ اس کے بدل امرائے اس کو گرفتار کر کے عبدالحمید خاں کے بیٹے عبدالمجید خاں کو نواب بنا دیا تھا لیکن یہ مرہٹوں سے لڑکر مارا گیا۔ اس کے مرنے کے بعد پھر محسن خاں نواب ہو گیا۔ اس کی اولاد نہ تھی اس لئے اس کے بعد عبدالمجید خاں کا بیٹا عبدالحکیم خاں اس کا جانشین ہوا۔ لیکن سنہ ۱۲۰۶ء / ۱۱۹۱ھ میں حیدر علی والی میسور نے سدہوٹ پر قبضہ کر لیا اور عبدالحلیم خاں گرفتار ہو گیا۔ اس کی جگہ رضا علی خاں سدہوٹ کا قلعہ دار بنایا گیا تھا۔

حیدر علی کے انتقال کے بعد دربار حیدر آباد نے اس کو اپنے تصرف میں لینا چاہا چنانچہ سنہ ۱۷۹۲ء / ۱۲۰۷ھ میں ایک معاہدے کی رو سے جو مغفرت مآب نظام علی خاں اور ٹیپو سلطان کے مابین طے ہوا تھا کڑپہ حیدر آباد کو مل گیا۔ لیکن حضرت غفران مآب نے یہ خطہ فرانسیسی افسر موسیو ریمو کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اس کی آمدنی سے فرانسیسی فوج کے اخراجات پورے کرے۔ لیکن اس انتظام سے انگریز بہت پریشان ہوئے کیونکہ اس زمانے میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں بے حد رقابت تھی۔ سنہ ۱۷۹۹ء / ۱۲۱۴ھ میں جب میسور کا خاتمہ ہو گیا تو حیدر آباد نے انگریزی فوج کے مصارف کی پابجائی کے لیے جو حیدر آباد میں متعین تھی کڑپا انگریزوں کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ سنہ ۱۸۰۰ء / ۱۲۱۵ھ سے کڑپہ انگریزی عملداری ہی میں آ گیا۔

سدہوٹ کے حالات تذکرۃ البلاد والحکام مولفہ حسین علی سے ماخوذ ہیں۔ "دکنی مخطوطات" مولفہ ہاشمی صاحب سے بھی استفادہ کیا گیا۔

نبی خاں میانہ (رستم خاں)

- اعظم خاں
- عبدالرحیم خاں
  - (۱) نیکنام خاں
- عبدالکریم خاں
  - (۲) عبدالنبی خاں
    ۱۷۰۸ء تا ۱۷۱۴ء
    ۱۱۱۹ھ تا ۱۱۲۷ھ
    - (۳) عبدالصمد خاں
      ۱۷۱۴ء تا ۱۷۲۴ء
      ۱۱۲۷ھ تا ۱۱۳۷ھ
      - (۶) عبدالمجید خاں
        ۱۷۵۰ء تا ۱۷۵۵ء
        ۱۱۶۴ھ تا ۱۱۶۹ھ
      - (۷) عبدالحلیم خاں
        ۱۷۵۹ء تا ۱۷۷۷ء
        ۱۱۷۳ھ تا ۱۱۹۱ھ
    - (۴) عبدالحمید خاں
      ۱۷۲۴ء تا ۱۷۴۶ء
      ۱۱۳۷ھ تا ۱۱۵۹ھ
    - (۵) محسن خاں
      ۱۷۴۶ء تا ۱۷۵۰ء
      ۱۱۵۹ھ تا ۱۱۶۴ھ
      ۱۷۵۵ء تا ۱۷۵۹ء
      ۱۱۶۹ھ تا ۱۱۷۳ھ
    - حسینی میاں
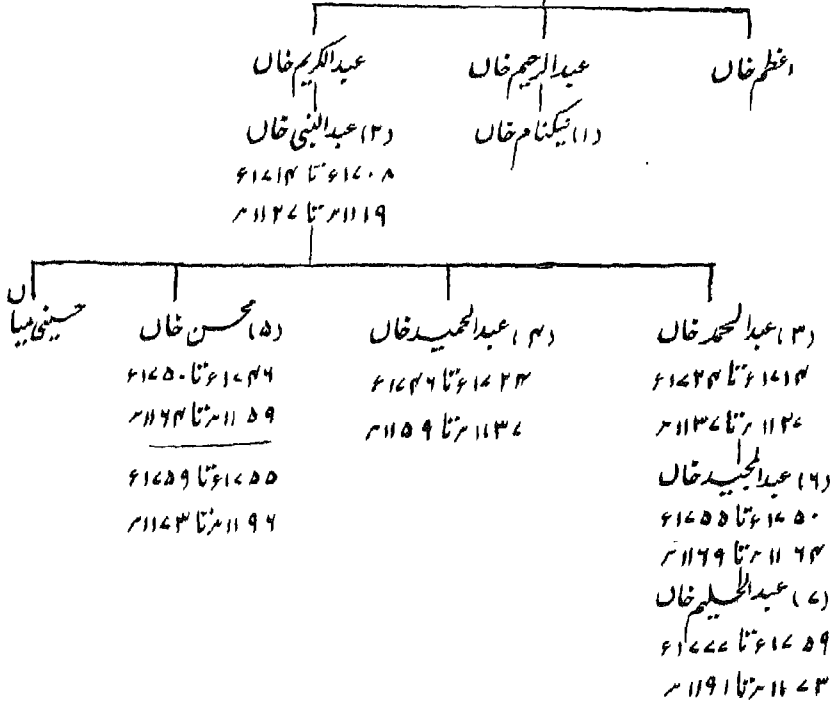
نیکنام خاں کی تاریخ ابتدائے حکومت اور وفات معلوم نہ ہو سکی اس کے بعد اس کا ایک بھانجہ لعل خاں بھی سدھوٹ کا قلعہ دار ہوا تھا۔ شجرے میں اس کا نام نہیں ہے۔ نمبر (۵) محسن خاں نے دو مرتبہ حکومت کی۔ سنہ ۱۷۵۰ء / ۱۱۶۴ھ میں اس کو امرائے سدھوٹ نے قید کر دیا اور اس کے بھتیجے عبدالمجید خاں کو مسند نشین کیا تھا۔ عبدالمجید خاں کے انتقال کے بعد جو سنہ ۱۷۵۵ء / ۱۱۶۹ھ میں ہوا تو یہ پھر نواب بنایا گیا اور ۴ سال حکومت کی۔ بالآخر سنہ ۱۷۷۷ء / ۱۱۹۱ھ میں حیدر علی والیٔ میسور نے اس خاندان کا خاتمہ کر دیا۔

(۲۵) نوابان ساونور (شاہ نور)

۱۶۶۰ء تا ۱۸۰۰ء

۱۰۷۱ھ تا ۱۲۱۵ھ

شانور ضلع دھارواڑ میں ایک چھوٹی ریاست ہے۔ سترھویں صدی کے اواخر تک یہ ضلع بیجاپور کے زیرنگیں تھا اس پر ایک پٹھان خاندان حکمران ہے جو پہلے عادل شاہی سلطنت کے ماتحت تھا۔ اس خاندان کے افراد پہلے اس کے جاگیردار تھے لیکن بیجاپور کے خاتمے اور مغل سلطنت کے زوال کے بعد یہ نیم خودمختار ہو گئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ لوگ ایک عادل شاہی امیر جاں نثار خاں کی اولاد سے ہیں۔ لیکن مقامی تاریخ پر اعتماد کیا جائے تو یہ لوگ عبدالکریم خاں میانہ کی اولاد سے ہیں جو شمالی ہند میں متوطن تھا۔[1] اس کی بیسویں پشت میں بہلول خاں بتایا جاتا ہے وہ علی عادل شاہ ثانی کے عہد میں شمالی ہند کو چھوڑ کر بیجاپور آگیا اور عادل شاہی سرپرستی میں بام ترقی پر پہنچ گیا اور بنکاپور کی جاگیر حاصل کی اس کا بیٹا اور پوتا عبدالرحیم خاں اور عبدالکریم خاں تھے۔ بڑا بیٹا عبدالنبی خاں تھا جو کڑپے کا ناظم ہو گیا اور چھوٹا بیٹا عبدالرؤف خاں بیجاپور کے خاتمے کے بعد مغل سلطنت کا ملازم ہو گیا۔

---

[1] تذکرۃ البلاد والحکام میں جاں نثار خاں بتایا گیا ہے۔ لیکن تاریخ دلیر جنگی میں جو شاہ نور میں لکھائی گئی ہے عبدالکریم میانہ کا نام ہے۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔ تذکرۃ البلاد کے اور بیانات بھی مختلف ہیں جو تاریخ دلیر جنگی میں نہیں پائے جاتے

شہنشاہ اورنگ زیب نے اس کو دلیر جنگ کا خطاب دیا جو خاندانی خطاب ہوگیا اور بنکاپور کی
جاگیر بحال کی۔[1] ۱۷۱۹ء ۱۱۳۲ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کے کئی بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا عبدالفتاح خاں
اس کا جانشین ہوا لیکن یہ جب چند مہینوں میں مرگیا تو اس کا بھائی عبدالمجید خاں نواب بنا۔
چھ مہینے کے بعد اس کا بھی انتقال ہوگیا تو اس کا دوسرا بھائی عبدالغفار مسند نشین ہوا۔
جس نے ۱۷۲۵ء ۱۱۳۸ھ تک بنکاپور پر حکومت کی۔ حسین علی خاں امیر الامرا نے اس کو بنکاپور کی
مسند عطا کی تھی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالمجید خاں ثانی اس کا جانشین ہوا۔ اس کے
عہد میں دکن میں سلطنت آصفیہ قائم ہوگئی۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس نے حضرت مغفرت آب
نواب نظام الملک کی اطاعت اختیار نہیں کی تو اس کے پاداش میں مغفرت آب نے
اس پر حملہ کر دیا تھا لیکن الف خاں نواب کرنول کی سفارش سے معاف کر دیا اور دو لاکھ روپے
نذرانہ اور تحائف لے کر واپس ہوگئے۔ جب ۱۷۴۳ء ۱۱۵۶ھ میں مغفرت آب کرناٹک کے بندوبست
کے لیے آگئے تو یہ ان کے ہمراہ رکاب تھا اور جب نواب ناصر جنگ نے کرناٹک میں فرانسیسیوں
پر حملہ کر دیا تو یہ بھی نواب کی امداد کے لیے آیا تھا۔ ۱۷۵۴ء ۱۱۶۸ھ میں اس کا انتقال ہوا۔
اس کا بیٹا عبدالحکیم خاں اس کا جانشین ہوا اس کے عہد میں شاہ نور پر میسور کے متعدد حملے
ہوئے لیکن مرہٹوں کے بیچ میں آنے کی وجہ سے ۱۷۸۶ء ۱۲۰۱ھ میں ٹیپو سلطان نے اپنی
فوجیں ہٹالیں اور شاہ نور بچ گیا۔ ۱۷۹۳ء ۱۲۰۸ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کے بائیس بیٹے
تھے اس کا بڑا بیٹا ابوالخیر خاں مسند نشین ہوا اسی کے عہد میں انگریزوں نے میسور کا

---

[1] تذکرۃ البلاد کی روایت کے مطابق علی عادل شاہ ثانی نے بہلول خاں کو بنکاپور کی جاگیر دی تھی غالباً یہی روایت صحیح ہے گو تاریخ دلیر جنگی کا مولف اورنگ زیب کا عطیہ لکھتا ہے بہلول خاں نے بنکاپور سے قریب شاہ نور کے نام سے ایک نیا قصبہ آباد کیا جس کا اصل نام چادنور تھا۔

خاتمہ کر دیا تو ۱۸۰۰ء (۱۲۲۵ھ) میں کڑپہ اور کرنول کے ساتھ شاہ نور بھی انگریزوں کی عملداری میں آگیا۔ ابوالخیر خاں ۱۸۲۸ء (۱۲۴۳ھ) میں نواب ہوا اس کے بعد عبدالفیاض خاں اور منور خاں اور دلیر خاں دلیر جنگ مسند نشین ہوئے اور ان کے جانشین اب تک شاہ نور میں حکمراں ہیں۔

---

(۱) بہلول خاں میانہ

۱۶۶۰ء

۱۰۷۰ھ

(۲) عبدالرحیم خاں

(۳) عبدالکریم خاں

عبدالنبی خاں

(۴) عبدالروف خاں دلیر جنگ

۱۷۱۹ء

۱۱۳۲ھ

(۵) عبدالفتاح خاں

۱۷۱۹ء

۱۱۳۲ھ

چند مہینے کے بعد مر گیا

(۶) عبدالمجید خاں

۱۷۱۹ء

۱۱۳۲ھ

چند مہینے کے بعد مر گیا

(۷) عبدالغفار خاں

۱۷۱۹ء تا ۱۷۲۵ء

۱۱۳۲ھ تا ۱۱۳۸ھ

(۸) عبدالمجید خاں ثانی

۱۷۲۵ء تا ۱۷۵۴ء

۱۱۳۸ھ تا ۱۱۶۸ھ

(۹) عبدالحکیم خاں

۱۷۵۴ء تا ۱۷۹۳ء

۱۱۶۸ھ تا ۱۲۰۸ھ

(۱۰) ابوالخیر خاں

۱۷۹۳ء تا ۱۸۲۷ء

۱۲۰۸ھ تا ۱۲۴۳ھ

موجودہ نوابان

اشاریہ

ا

غ

ف

ق

ن

اس اشاریہ کی ترتیب مولوی سلیمان ادیب صاحب نے کی ہے جس کیلئے
ان کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

پروفیسر عبد المجید صاحب صدیقی کی دوسری تصنیف
تاریخ گولکنڈہ پہ مبصرین کی رائیں

علاوہ مقدمہ کے کتاب پانچ حصوں پر منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ دکن کے اس حصہ میں سلطنت کا آغاز کیونکر ہوا دوسرے حصے میں اس کے استحکام اور تیسرے میں اس کے عروج سے بحث کی گئی ہے، چوتھا حصہ زوال سے متعلق ہے اور پانچویں میں گولکنڈہ کی تمدنی سیاسی و علمی تاریخ بیان کی گئی ہے عمارات و سلاطین قطب شاہی کی گیارہ تصاویر بھی شامل ہیں کتاب بہت مفید اور تاریخ دکن سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

مولانا نیاز فتحپوری ۔ نگار مئی ۴۲ء

(۲)

یہ قطب شاہی دور حکومت کی مفصل تاریخ ہے جس کو مرتب نے پانچ حصوں میں منقسم کیا ہے، حصہ اول میں سلطنت کی تاسیس حصہ دوم میں سلطنت کے استحکام حصہ سوم میں سلطنت کا عروج حصۂ چہارم میں سلطنت کا زوال حصۂ پنجم میں گولکنڈہ کے تمدن پر سیر حاصل بحث موجودہ تحقیق و تلاش کی روشنی میں کی گئی ہے اور حصوں کو مختلف ابواب میں تقسیم کر کے تاریک سے تاریک پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے اردو زبان کی مروجہ تاریخوں میں اس تاریخ کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ اس دور کی معاشرت اور حالت کا بھی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ قطب شاہی دور حکومت کا ذکر تاریخ میں لکھنے والوں نے بہت مختصر الفاظ میں لکھا ہے۔ اس کی ایک وسیع تاریخ ہے جس کے ہر مد و جزر میں تمدن کی بڑی بڑی حقیقتیں پوشیدہ ہیں جس کا خوشگوار تمدن دو سو سال تلنگانے کے رہنے والوں کو گرویدہ کئے ہوئے تھا۔ قابل اور لائق مرتب نے اردو زبان میں گولکنڈہ کی جامع اور مفصل تاریخ لکھ کر بڑا احسان کیا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین اس کے مطالعے سے بہت محظوظ ہوں گے۔

رہنما مراد آباد اپریل ۴۲ء

(۳)

ہر چند گولکنڈہ کو ہندوستانی تاریخ میں زیادہ اہمیت نہیں دی گئی لیکن وہ اپنے دورِ افتدۂ سے دورِ زوال تک علوم و فنون تمدن و معاشرت اور حکومت و ثروت کی آماجگاہ بنا رہا۔

اس تاریخ کے جستہ جستہ مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ گولکنڈہ نے اپنے عروج کے زمانے میں دکن کی خوابیدہ سلطنتوں کو جگا دیا اور تہذیب و تمدن کو پھیلا دیا اس سلطنت کی اساس اور تعمیر ایسے افراد کے ہاتھوں میں ہوئی تھی جو بڑے تمدن کے حامل تھے۔ چنانچہ انھوں نے ملک میں بہترین تمدنی ذخائر جمع کئے، اسلامی علوم و فنون کے ساتھ اردو و تلنگی زبان کی اس طرح خدمت کی کہ گویا یہ ان کی زبان ہے ادب و شعر کی بھی اس دور میں بڑی خدمت کی گئی۔

کتاب کو زیادہ سے زیادہ تحقیق و تجسس سے لکھا گیا ہے گیارہ تصویریں بھی ہیں غرض یہ گولکنڈہ کی مبسوط تاریخ ہے جو اردو میں ایک بہترین اضافہ ہے۔

شاعر آگرہ مئی سنہ ۴۶ء

اردو مثنوی کا ارتقا از پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری

مصنف نے کتاب کو مختلف ابواب میں منقسم کر کے مثنوی کا درجہ اس کے ابتدائی اور متوسط اور جدید دور پر جامع اور مفصل بحث کی ہے اور سابق بادشاہوں کے عہد میں ان کی ارتقائی کیفیات کو مثالیں دے کر سمجھایا ہے یہ ایسی جامع اور مکمل تصنیف ہے جس کا مطالعہ ادب اردو سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ازبس ضروری ہے۔ اس کے لائق اور قابل مصنف اپنی تحقیق و تفحص کے لئے قابل صد ستائش ہیں۔

رہنما مراد آباد اپریل سنہ ۴۶ء

(۲)

صنف شعر میں مثنوی کو جو درجہ حاصل ہے اور خیالات کو پر اثر طریقے پر پیش کرنے کی صلاحیت جتنی مثنوی میں ہے اس سے اہل علم اچھی طرح واقف ہیں اردو شاعری میں مثنوی نے اتنا عروج نہیں پایا جتنا غزل، رباعی، مخمس اور مسدس وغیرہ نے لیکن پھر بھی اردو شاعری کا خزانہ قدیم و جدید مثنویوں سے بیش از بیش مالا مال ہے

میرا ذاتی خیال ہے کہ اگر ہندوستان میں ناولوں، فسانوں اور ڈراموں کا عروج نہ ہوتا تو مثنوی اب بھی اپنی تمام رنگینیوں کے ساتھ جلوہ گر رہتی کیونکہ اس میں ان ہی مثنوں کے اجزا شامل ہیں، موجودہ دور کے شعراء ہر چند مثنوی کی طرف سے بے خبر نہیں ہیں لیکن انھوں نے مثنوی کو اختصار کی حدوں تک پہنچا دیا ہے، البتہ حقائق و معارف، فلسفہ الہیات وطنیت قومیت اور سیاست اب مثنوی کی جولانگہ ہو کر رہ گئے ہیں۔

مثنوی سے متعلق ابھی تک کوئی پر تفصیلی کتاب شائع نہیں ہوئی تھی گو اکثر ادبا نے اختصار کے ساتھ مثنوی کی تاریخ پر اکثر و بیشتر روشنی ڈالی ہے، اس کتاب میں مثنوی کی ابتدا سے موجودہ دور تک کی تدریجی ترقیوں پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے، فاضل مصنف نے جہاں اپنی ذہنی معلومات کو اس میں سمویا ہے وہاں قدیم نسخوں سے چھان بین بھی کی ہے اور بارہ ۱۲ عنوانات کے تحت مثنوی کی پوری تاریخ قلمبند کر دی ہے۔ فی الحقیقت یہ تصنیف بے حد کار آمد اور مفید ہے

شاعر آگرہ مئی ۱۹۴۸ء

۳

جناب عبد القادر سروری ایم اے کی تصنیف ہے جس میں ابتدا سے اس وقت تک مثنوی کے تدریجی ارتقاء پر بحث کی گئی ہے۔ فہرست مضامین یہ ہے، مثنوی کا درجہ اصناف شعر میں اردو مثنوی کے اولین نمونے طویل تر مثنویاں، قدیم مثنوی کا سنہرا زمانہ، بیجاپور کی مثنویاں، مغلیہ عہد کی مثنویاں، دور متوسط کی ابتدائی مثنویاں، دور متوسط میں مثنوی کی ترقی، مثنوی دور جدید میں، کتاب بہت مفید اور کار آمد ہے۔

نگار مئی ۱۹۴۸ء

۴

مثنوی ہماری شاعری کی ایک اہم صنف ہے، جس میں اردو کے اکثر و بیشتر شعرا طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں جناب عبد القادر سروری ایم اے نے اردو مثنوی کے ارتقائی مدارج کو وضاحت کے ساتھ قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے۔ جا بجا انھوں نے چند مطبوعہ قدیم مثنویوں کے اقتباسات بھی پیش کئے ہیں جن کے مطالعہ سے اردو زبان کی عہد بہ عہد تبدیلیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

پوری کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے۔ قدیم دور کی مثنوی نگاری پر مختلف عنوانات کے تحت سیر حاصل بحث

کرنے کے بعد آخری باب میں مثنوی کے ظاہری تغیر و تبدل کے ساتھ ساتھ اس کی معنویت کے ترقی پرور رجحانات پر مختصر مگر جامع تنقید کی گئی ہے، اس ضمن میں آزاد کی موسم زمستان شب قدر، ابر کرم" حالی کی "بر کھارت" شکوۂ ہند، حب کی داد"، اسمٰعیل میرٹھی کی "خدا کی تعریف" اسلم کی بلی"، شوق قدوائی کی "حسن"، ترانۂ شوق اور عالم خیال صوفی شاد کی جلوۂ کرشن"، لے نظیر شاہ کی "الکلام" حفیظ جالندھری کی "شاہنامۂ اسلام" اور اقبال و جوش کی طرز میں لکھی ہوئی نظموں پر روشنی ڈال کر فاضل مصنف نے اس کتاب کی افادیت میں خاص طور پر اضافہ کر دیا ہے امید ہے کہ صاحب ذوق حضرات اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں گے۔ **سہیل گیا مئی ۱۹۴۰ء**

روح غالب از ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور

عطر ساز و خوشبو فروش۔ روح خس۔ روح گلاب۔ کشید کیا کرتے ہیں۔ آپ نے روح غالب سے مشام سخن کو معطر کر دیا۔ سبحان اللہ بارک اللہ۔ **مولانا عبدالماجد دریابادی اگست ۱۹۳۹ء**

۲

جامعہ عثمانیہ کے استاد اردو۔ ڈاکٹر زور کے نام سے اب حلقہ اردو خاصہ روشناس ہو چکا ہے۔ روح غالب انہیں کے تازہ زور قلم کا نتیجہ ہے۔ غالب اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ ان پر اب تک کتابیں خاصی کثرت سے لکھی جا چکی ہیں۔ اور شاعری سے قطع نظر ان کی نثر کی ادبیت پر بھی (ایک انگریزی محاورہ کا ترجمہ اگر جائز ہو) اچھی خاصی روشنی ڈالی جا چکی ہے" زور صاحب نے صرف یہ کیا ہے کہ غالب کے اردو مکتوبات کے دلچسپ ادبی حصوں کا انتخاب کر لیا ہے اور شروع کے پچاس ساٹھ صفحوں میں حیات غالب کی ایک چلتی ہوئی سرگزشت دیدی ہے۔ اور ان کے کارناموں پر ایک سرسری تبصرہ شامل کر دیا ہے۔ یہی باتیں اور لوگوں نے بھی پھیلا کر لکھی ہیں لیکن زور صاحب کے یہاں کچھ دلکشی ہی اور ہے۔ **صدق لکھنؤ اگست ۱۹۳۹ء**

۳

"روح غالب" بڑی محنت اور بالغ نظری سے مرتب کی گئی ہے۔ ڈاکٹر زور جیسے نقاد سے امید بھی ایسی ہی تھی۔ یہ پوری کتاب نثر میں ہے جس کا غالب کی شاعری سے مطلق تعلق نہیں اس میں غالب کی مکمل سوانح حیات اتی نقدریظیں، تنقیدیں اور ان کے کلام کی شرح لکھنے والوں پر تبصرہ ان کے کلام کی اشاعت کی تفصیل غالب کی

نثر کی تصانیف ۔ غالب کے اعزا اور احباب اور خاندانی شجرہ کو بالکل نئے اسلوب سے پیش کیا گیا ہے اس کے بعد کتاب کا اصل حصہ شروع ہوتا ہے جس میں مرزا غالب کے اردو خطوط سے دلچسپ حصے اخذ کیے گئے ہیں ۔ یہ وہ حصے ہیں جن کو علمی و فنی بحث سے کوئی تعلق نہیں اس لئے کہ ایسے حصے محققین فن کے لئے کارآمد ہو سکتے تھے نہ کہ دلدادگان ادب کے لئے جو حلاوت زبان کی پاکیزگی اور اسلوب کی شگفتگی پر مرتے ہیں ۔ روح غالب یقینی ایک عمدہ اور قابل مطالعہ کتاب ہے۔

شاعر آگرہ اگست ۳۹ء

---

(۴)

جناب مرتب نے شاعر کے حالات جس جامعیت اور خوبی کے ساتھ قلمبند فرمائے ہیں اس کی مثال شاعر کی کسی دوسری سوانح عمری میں نہیں ملتی ۔ غالب کی فارسی اور اردو تصانیف کا تذکرہ اور ان کے متعلق ضروری معلومات کا اندراج (بقیہ تاریخ دکن) تاریخ ادب اردو کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے نہایت مفید چیز ہے ۔ شاعر کے خاندان اور ان کے سسرالی افراد کے دو شجرے غالباً اس کتاب میں پہلی دفعہ شائع ہوئے ہیں یہ بھی خاص معلومات کی چیزیں ہیں ۔

ڈاکٹر صاحب نے خطوط غالب کے ادبی حصوں کا نہایت حسن و خوبی کے ساتھ انتخاب کیا ہے گویا کہ نفیس و دلچسپ ادب پاروں کا ایک دلفریب خوش رنگ گلدستہ بنا کر پیش کیا ہے غالب کے خطوط سے علمی و فنی باتوں کو الگ کر دینے کے بعد یہ مجموعہ اس قدر دلچسپ بن گیا ہے کہ جس کا اندازہ ان کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے ۔

غرض اس کتاب میں ہمارے ملک کے قابل فخر و مایۂ ناز مصنف ڈاکٹر زور نے غالب کی نثر اردو کی روح نکال کر رکھ دی ہے ہماری رائے میں یہ کتاب لطیف و پاکیزہ ادبی ذوق رکھنے والے اصحاب کے لئے بہترین تحفہ ہے ۔ اس نفیس اور خوبصورت ادبی پیشکش کی ایک جلد ضرور ان کی میز پر رہنی چاہئے

ادارہ ادبیات اردو نے یہ کتاب شائع کر کے اردو ادب کی قابل قدر خدمت کی ہے ۔

مشیر دکن اگست ۳۹ء

جملہ کتابوں کے ملنے کا پتہ

سب رس کتاب گھر ۔ خیریت آباد ۔ حیدرآباد دکن ۔